مولا علی

کرم اللہ وجہہ

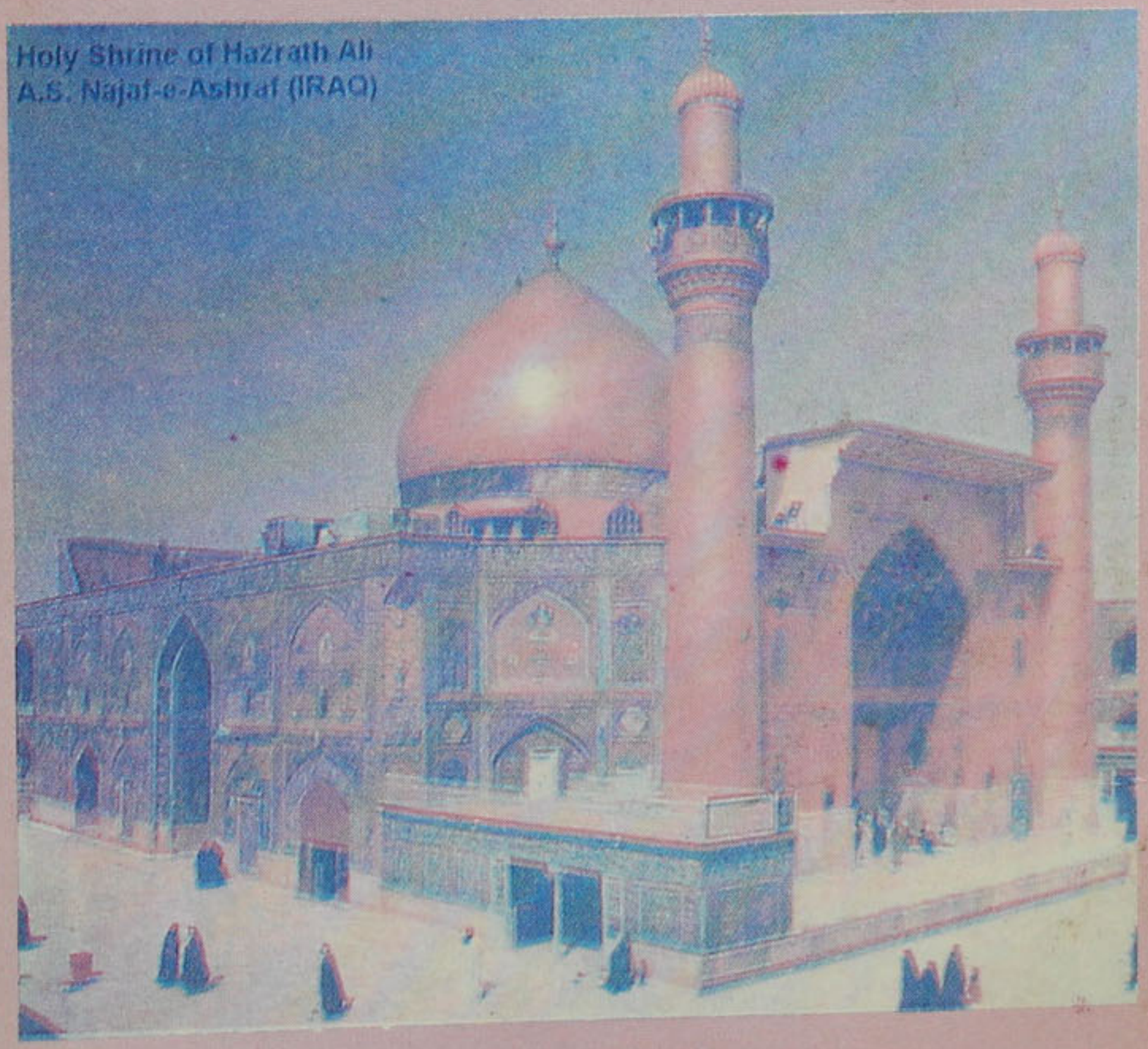

(تقاریر)

مولانا کوثر نیازی

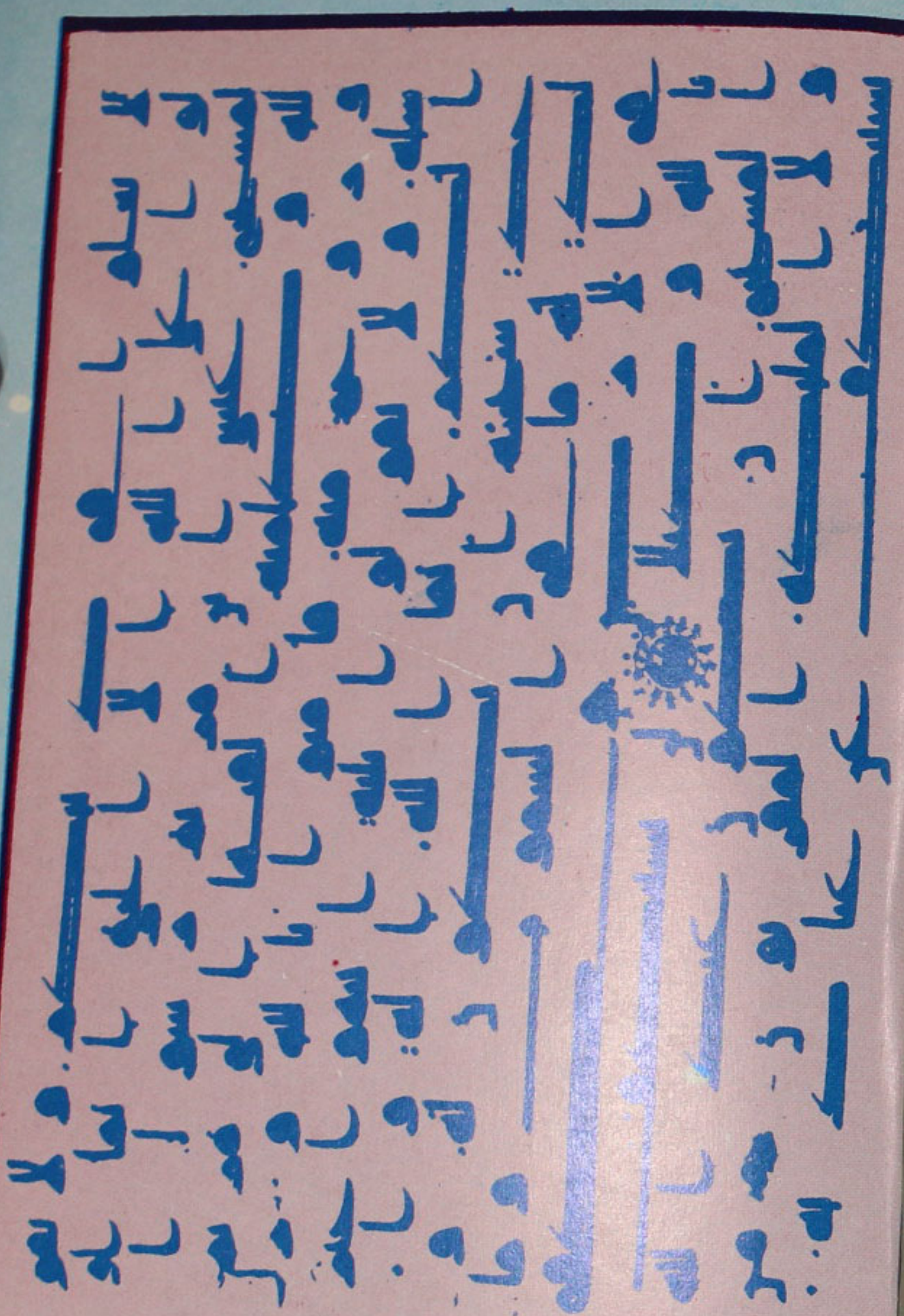

علی مولا کرم اللہ وجہہ

(تقاریر)

مولانا کوثر نیازی

(جُملہ حقوق محفوظ بحقِ محمدّی ٹرسٹ کراچی)

طبعِ اوّل، دسمبر ۱۹۹۴ء، تعدادِ اشاعت، گیارہ سو
طبعِ دوم، فروری ۱۹۹۵ء، تعدادِ اشاعت، دو ہزار
طبعِ سوم، اپریل ۱۹۹۸ء، تعدادِ اشاعت، ایک ہزار
— قیمت — ۸۰.روپے

MUHAMMADI EDUCATION & PUBLICATION TRUST
P.O.BOX — 7916
KARACHI.

فہرست

علیؑ پہلے مسلمان نہیں پہلے ہی سے مسلمان تھے	۲۵
فضائلِ علیؑ و ابوطالبؑ	۴۱
مُرسلِ حق کردنامش بوتراب	۵۹
مولا علیؑ	۷۱
نہج البلاغہ، چند علمی و تحقیقی نکات	۸۳

ہم کو اِک حرفِ انا الحق پہ بُرا کہتی ہے
وُہی مخلوق جو ہر بُت کو خُدا کہتی ہے

حرفِ آغاز

مولانا کوثر نیازی کی سیاسی حیثیت اپنی جگہ پر لیکن وہ بنیادی طور پر ایک مذہبی شخصیت تھے، انھوں نے مذہبیات کے حوالے سے بہت سی خدمات انجام دیں جن میں احادیث کی تشریح، آیات الٰہی سے آگاہی اور خطابت کے ساتھ ساتھ وفاقی وزیر مذہبی امور اور اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین کے منصب تک بہت سے پہلو ہمارے سامنے روشن ہیں ان کی تمام تر خدمات میں قدر مشترک، ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کا وہ جذبہ ہے جس کی شمع ان کے دل میں آخر تک روشن رہی۔

یہ ۱۹۹۰ء کے آس پاس کی بات ہے مولانا میرے گھر (لندن) تشریف لائے، کھانے کے بعد ہم دہلی میں منعقد ہونے والے جشن مولود کعبہ کا وڈیو کیسٹ دیکھ رہے تھے، حضرت علیؑ پر ان کے انتہائی پرجوش عقیدت مندانہ خیالات کو سن کر میری بیٹی نے

ان سے کہا کہ کیا آپ پاکستان میں بھی حضرت علیؑ کے بارے میں اسی جوش و ولولے سے اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں' مولانا مسکرائے' انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں میں اپنی مملکت اسلامیہ میں تو یہ قدم اٹھانے جارہا ہوں کہ پاکستان میں اب جشن ولادت علیؑ اہل سنت دوستوں کی طرف سے منایا جائے ہمیں فرقہ وارانہ تعصب کو ختم کرنا ہوگا اسی میں پاکستان کی بقا ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ پر مولانا کی تقاریر کا یہ مجموعہ ان کی نگاہ عارفانہ کا مظہر ہے۔ ان تقاریر کو برادرم ہادی عسکری نے بہت محنت سے یکجا کیا ہے جس کا اظہار انھوں نے کتاب کے ابتدائی اوراق میں کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم مولانا کوثر نیازی مرحوم کی ان تقاریر کے مجموعے کو منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

آصف علی

(لندن' ۱۹۹۴ء)

غمِ حیات مجھے کیا ستائے گا کوثرؔ
کہ اُن کی مَرحمتِ خاص کی پَناہ میں ہُوں

آپ نے سنا ہوگا' اکثر کہا جاتا ہے کہ
سندھ کے فاتح محمد بن قاسم ہیں میں کہتا
ہوں کہ یہ ادھوری سچائی ہے۔ یہ پھر
جناب امیرؑ کے کارناموں کو چھپانے کی
کوشش ہے۔ کس مورخ نے اس بات پر
شک کیا ہے مجھے اس کا نام بتاؤ آج تمام
سنی شیعہ مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ
سندھ کے صوبے پر سب سے پہلا اسلامی
لشکر جناب امیرؑ کے عہد میں بھیجا گیا اور
صوبہ سندھ آپؑ کے زمانے میں فتح ہوا۔
اور اے اہل سندھ تم اس بات پر فخر
کرتے نہ تھکو گے کہ یہ سندھ جناب علی
کا سمدھیانا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ریاست کے
خزانے میں اپنی ذات پر دو درہم روزانہ
خرچ کرتے تھے، سردی میں ایک کمبل نما
جبہ اور گرمی میں ایک کھردرا لباس ریاست
کے خزانے سے اپنے لیے نکالتے، یہ لباس
پھٹتا تو اس پر پیوند لگا لیتے، کرتے کے
دامن گھس جاتے تو انھیں کاٹ دیتے اور
کرتا اونچا کر لیتے۔ کفیں پھٹ جاتیں تو
انھیں کہنیوں تک کاٹ دیتے۔ وہ جو لباس
پہن کر بازاروں میں نکلتے اسے دیکھ کر
اجنبی انھیں مزدور سمجھ کر کہتے، اے مزدور
ہمارا بوجھ اٹھاؤ، اور وہ اسے اٹھا لیتے۔
کیونکہ انھوں نے پوری ملت کا بوجھ اپنے
کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

میرے والد (مولانا کوثر نیازی مرحوم) کا شمار ان لوگوں میں تھا جنھوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ پاکستان میں تمام مسلمان محبت و اخوت کے رشتے میں بندھے رہیں۔ وہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز اِس آیتِ قرآن میں پوشیدہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو ـــــ وہ فرقہ واریت اور مسلمانوں کے درمیان تفریق کے شدید مخالف تھے۔ سُنّی اور شیعہ حضرات کے اجتماعات میں ان کی شرکت اتّحاد بین المسلمین کی علامت ہوتی تھی۔

مَیں شکر گزار ہوں محمدی ٹرسٹ کراچی کا کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر میرے والد کی تقاریر کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے خصوصاً برادرِ عزیز ہادی عسکری کا کہ انہوں نے ان تقاریر کو بہت صحت اور سلیقے کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ میرے والد مرحوم جس لگاؤ اور محبّت سے ان کو عزیز رکھتے تھے، اُس کا انہوں نے واقعی حق ادا کیا اور صرف یہی نہیں کہ اُن کی زندگی میں بلکہ اُن کے انتقال کے بعد بھی اس دوستی اور محبّت کو باقی رکھا جو ایک عرصے سے ہمارے اور اُن کے درمیان قائم ہے۔

مجھے اُمّید ہے کہ ہماری قوم اس کتاب "مولا علیؑ" سے استفادہ کرے گی!

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۴ء

(ڈاکٹر رؤف نیازی)

ہاؤس نمبر — ۲ — اسٹریٹ ۵۹

ایف، ۷/۴ اسلام آباد

کتاب سے پہلے

حضرت علیؑ کی شخصیت اور سیرت کے بارے میں مولانا کوثر نیازی مرحوم کی تقاریر پر مشتمل کتاب "مولا علیؑ" آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ تقاریر مولانا نے یوم علیؑ کمیٹی اور پاکستان بوتراب سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جشن مرتضویؑ کے سالانہ اجتماعات میں ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۳ کے دوران کراچی اور اسلام آباد میں کیں۔ ممکن ہے ان تقاریر کی اشاعت کی طرف ہمارا دھیان نہ جاتا لیکن مولانا کی اچانک وفات نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ان تقاریر کو کاغذ پر محفوظ کر لینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ یہ تقاریر بکھر جائیں یا ضائع ہوجائیں۔

یہ میرا منصب نہیں ہے کہ میں ان تقاریر کے علمی نکات پر کچھ اظہار خیال کروں ہاں یہ ضرور ہے کہ راقم السطور نے کیونکہ ان تقاریر کو یکجا کر کے ترتیب دینے کی سعادت حاصل کی ہے اور یوم علیؑ کمیٹی سے میرے خاندان کا گہرا تعلق ہے

چنانچہ اس کتاب کی اشاعت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قارئین کو کچھ دیر کے لیے اس پس منظر میں لے کر جانا چاہتا ہوں جس سے یوم علیؑ کمیٹی اور پاکستان بوتراب سوسائٹی کا تعلق ہے۔

ہمارا تعلق یو پی کے ایک مشہور شہر آگرہ سے ہے۔ میرے والد جناب حسن عسکری نے اسی شہر میں آنکھ کھولی اور مزار شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری کے آستانے میں ہوش سنبھالا۔ ہمارے خانوادے کو برصغیر پاک وہند کی تقسیم سے قبل اس آستانے کی خدمت کا شرف حاصل رہا ہے وہاں ہر سال قاضی نوراللہ شوستری کی برسی پر سالانہ مجالس ہوتی تھیں جن میں ہندوستان کے بڑے بڑے ذاکرین اور واعظین خطاب کیا کرتے تھے۔ ان تمام مجالس کا انتظام میرے دادا مرحوم مولانا سید مبارک حسین نقوی اور میرے والد کے ذمے تھا۔

اسی زمانے میں میرے والد کے علم میں یہ بات آئی کہ حیدر آباد دکن میں ایک ایسا نوجوان خطیب موجود ہے جس نے مجالس عزا میں اپنی خطابت کے سکے بٹھا دیئے ہیں۔ اہل علم میں ان کی بڑی دھوم ہے چنانچہ میرے والد نے دکن رابطہ کیا اور اس نوجوان خطیب کو قاضی نوراللہ شوستری کی سالانہ مجالس میں خطاب کرنے کی دعوت دی۔ اس نوجوان خطیب کا نام رضا حسین تھا جسے آج دنیا علامہ رشید ترابی کے نام سے جانتی ہے۔ میرے والد بیان کرتے ہیں کہ۔

"۔۔ یہ مجالس تین دن ہوا کرتی تھیں علامہ مرحوم کی مجلس کا جو دن مقرر تھا وہ آخری دن تھا انھیں تین بجے سہ پہر خطاب کرنا تھا لوگ چوٹی کے ذاکرین کو سن چکے تھے۔ اس وقت آگرہ میں لوگ کیونکہ علامہ رشید ترابی کے نام سے اتنے واقف نہیں تھے اس لیے بیشتر لوگ جو دور دراز سے آئے تھے اور تین روز سے مسلسل مجالس سن رہے تھے اب اپنی واپسی کے لیے اسباب سمیٹ رہے تھے کہ اچانک علامہ کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی

اور ایسا محسوس ہوا کہ جیسے لوگ سب کچھ بھول کر ان کی آواز
کی طرف کھچے چلے جا رہے ہیں وہ تقریر علامہ نے تین گھنٹے تک
کی لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نوجوان میں اس قدر
صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ بعد ختم مجلس لوگ انھیں دعائیں دے
رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ خطیب انشاء اللہ دنیائے
خطابت میں بڑا نام پیدا کرے گا اور صاحب منبر سلونی کی ان پر
خاص عطائیں ہوں گی جس شہید کی یہ مجالس پڑھنے آئے ہیں
ان کا خاص کرم رہے گا۔ ان یاد گار مجالس کے لیے علامہ کو
بذریعہ جہاز زحمت دی گئی تھی اور اس وقت ان کے ہوائی سفر
کے اخراجات مرحوم فیض علی پنجتنی صاحب (احمد آباد) نے
اٹھائے تھے جنھیں عزاداری حسینؑ سے بے حد لگاؤ تھا۔۔"

۱۹۴۷ میں برصغیر تقسیم ہوا تو ہمارا پورا خاندان پاکستان آگیا۔ ۱۹۴۹ء میں علامہ رشید ترابی نے بھی کراچی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ قاضی نوراللہ شوستری کی مجالس کے حوالے سے چونکہ علامہ اور میرے والد کے درمیان ایک تعلق خاطر قائم ہوچکا تھا۔ چنانچہ اب اسی تعلق نے ایک نئی شکل اختیار کی اور ۱۹۴۹ سے ان دونوں صاحبان نے خالقدینا ھال کراچی میں محرم الحرام کے دوران بزم حسینی کی طرف سے مجالس کی بنیاد ڈالی یہ مجالس آج تک بزم حسینی ہی کے زیر اہتمام اسی شان وشوکت سے منعقد ہورہی ہیں۔ ان مجالس میں علامہ رشید ترابی نے مسلسل بائیس (۲۲) سال تک خطاب کیا۔ لوگ آج تک ان کی خطابت کو نہیں بھولے۔

۱۹۵۲ ہی میں علامہ مرحوم نے جشن مرتضویؑ کی بنیاد رکھی اور یوم علی کمیٹی کے زیر اہتمام آرام باغ میں اس کا انعقاد ہونے لگا پھر علامہ ہی کی خواہش پر اس کو نشتر پارک میں منتقل کر دیا گیا یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اس سے پہلے علامہ ہی کی سرپرستی میں کراچی کے قدیم بڑے امام بار گاہ کھارا در میں جشن امام حسینؑ منعقد

ہوچکا تھا۔ یہ ۱۹۴۹ ہی کا ذکر ہے اور علامہ نے صدارت کے لیے پیرالٰہی بخش کو دعوت دی تھی۔

علامہ مرحوم جشن مرتضویؑ میں ہر مکتب فکر کے عالم کو دعوت دیتے تھے انھوں نے اس پلیٹ فارم سے شیعہ سنی اتحاد کی بنیاد ڈالی وہ فرقہ واریت کے شدید مخالف تھے یہی وجہ تھی کہ لوگ ان کی بات سنتے تھے اور ہر خیال کا عالم اور واعظ ان کی دعوت پر جشن مرتضویؑ میں ذوق و شوق سے شریک ہوتا۔ علامہ میرے والد سے اکثر کہا کرتے تھے کہ جشن مرتضویؑ کے جلسوں میں اتحاد بین المسلمین کی روح ہمیشہ باقی رہنا چاہیے چنانچہ علامہ کی وفات کے بعد میرے والد نے اس جذبے کو کبھی مدھم نہیں ہونے دیا اب اپنے والد کے دوش بدوش اس کے انتظام میں میری دوڑ دھوپ بھی شامل ہوگئی ہے اور میں بھی اسی اصول پر سختی سے کاربند ہوں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس جشن کے انعقاد کا مقصد اول و آخر یہی اصول ہے۔

اتحاد بین المسلمین کے اسی جذبے سے سرشار ہو کر میں نے ۱۹۸۵ء کے آخر میں اسلام آباد میں ایک ملاقات کے موقع پر مولانا کوثر نیازی سے جشن مرتضوی میں شرکت کی درخواست کی۔ مولانا کیونکہ خود بھی اتحاد ملت کے داعی تھے اس لیے انھوں نے فوراً اپنی آمادگی ظاہر کردی اور ہماری دعوت کو قبول کیا۔

۱۹۸۶ء شروع ہوچکا تھا ہم نے مولانا کو بہ حیثیت مہمان خصوصی جلسے میں مدعو کیا اس جلسے کی صدارت علامہ عقیل ترابی مدظلہ نے فرمائی ہزاورں کا مجمع تھا' مولا علی کے بارے میں مولانا کوثر نیازی کے عقیدت سے بھرپور خطاب نے مجمع کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تعصب اور فرقہ واریت سے ہٹ کر انھوں نے تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جانے کی تلقین کی--- یہ تھی مولانا سے پہلی باقاعدہ ملاقات--- اس کے بعد مولانا سے ربط و ضبط بڑھتا چلا گیا جب بھی کراچی تشریف لاتے صبح ہی فون کرتے ان کا پہلا جملہ اپنے مخصوص انداز میں ہوتا "---جی ہادی صاحب' سو رہے ہیں---" میرے ساتھ یہ ان کی محبت و شفقت تھی اور میرے

ساتھ ہی کیا جس سے ایک بار مل لیتے اور متاثر ہوجاتے تو پھر اسے ہمیشہ یاد رکھتے۔ جب ملاقات ہوتی ڈاکٹر کلب صادق' ڈاکٹر حسین محمد جعفری' ڈاکٹر ہلال نقوی' مدثر مرزا اور آغا مسعود حسین کی خیریت ضرور دریافت کرتے۔ ڈاکٹر ہلال نقوی سے ملتے تو جوش ملیح آبادی کا تذکرہ ضرور ہوتا۔

۱۹۹۰ء کا ذکر ہے جب میں لکھنؤ گیا اور میں نے مولانا ڈاکٹر کلب صادق صاحب سے ذکر کیا کہ میں مزار انیس پر فاتحہ پڑھنے کے لیے جانا چاہتا ہوں انھوں نے ایک صاحب کو میرے ساتھ کردیا وہ مجھے مزار انیس لے گئے یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ ہمارے گھروں میں ابتدا ہی سے بچوں کو سلام' نوحے اور مرثیے سے شغف پیدا کیا جاتا ہے خصوصاً رباعیاں ضرور یاد کرائی جاتی ہیں اور انیس کے بند بھی حفظ کرائے جاتے ہیں علامہ رشید ترابی منبر پر جس جوش و خروش سے میر انیس کا تذکرہ کرتے تھے اس نے نوعمری ہی میں ہمارے دلوں میں میر انیس کا احترام پیدا کر دیا تھا۔ انہی جذبات کے ساتھ جب میں میر انیس کے مزار پر پہنچا تو مزار کی خستگی اور وہاں اڑنے والی خاک کو دیکھ کر مجھے بہت دھچکا لگا۔ مزار کی حالت زار دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میں اندر سے چکنا چور ہوگیا ہوں۔ میں نے ڈاکٹر کلب صادق صاحب سے دریافت کیا کہ مزار کا حال اس قدر برا کیوں ہے انھوں نے فرمایا جتنا برا حال اس مزار کا ہے اس سے زیادہ برا حال قوم کا ہے' میں اس کا کیا جواب دیتا بہرحال میں نے ڈاکٹر صاحب سے گزارش کی کہ مزار کی از سرنو تعمیر پر توجہ دینی چاہیے۔ مزار کی تعمیر جدید کے اسباب ہم نے پاکستان سے فراہم کیے جس میں میرے عزیز دوست محترم سید اسد علی صاحب کا نام سب سے اہم ہے۔ توحید المسلمین ٹرسٹ کے زیر اہتمام جس کے سکریٹری خود ڈاکٹر کلب صادق صاحب ہیں اس کی ازسرنو تعمیر کا بیڑا اٹھایا گیا گو کہ یہ ٹرسٹ بنیادی طور پر تعلیمی حوالے سے اپنی شناخت رکھتا ہے لیکن اس ذیل میں بھی اس کی خدمات ہماری تہذیبی اور تعلیمی زندگی کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔۔

یہ میں نے تمہید اسلئے باندھی کہ جب اس کی تعمیر جدید مکمل ہوگئی تو میں نے مولانا کوثر نیازی سے درخواست کی کہ میری اور ڈاکٹر کلب صادق صاحب کی خواہش ہے کہ تعمیر جدید کی اس تقریب میں بہ حیثیت مہمانِ خصوصی آپ شرکت فرمائیں مولانا نے انتہائی خندہ پیشانی سے اسے قبول کیا اور بڑی دل کی گہرائیوں سے اس وقت یہ جملہ کہاکہ ---"ہادی صاحب' اگر ہم ساری عمر انیسؔ کے لیے لکھتے رہیں تب بھی ان کا قرض نہیں اتار سکتے ---"

ہم نے اس تقریب کو انیس سیمینار کا نام دیا۔ اس سیمینار میں مولانا کی تقریر یاد گار رہی اہل لکھنؤ نے بہت محبت سے ان کا استقبال کیا بعد میں مولانا کوثر نیازی نے روزنامہ جنگ کے کالم میں اس تقریب کا تذکرہ بھی کیا۔

مولانا کوثر نیازی نے اس سفر میں اپنی ایک دیرینہ خواہش کا اظہار مجھ سے کیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ پاکستان میں اہل سنّت حضرات کی طرف سے بھی جشن علیؑ کا انعقاد ہوا کرے ہندوستان میں تو ہمارے بھائی کرچکے اب یہاں سنی بھائی بھی اس کا اہتمام کیا کریں اسی قسم کے جذبات کا اظہار اب سے بہت پہلے انھوں نے لندن میں میرے عزیز دوست جناب آصف علی صاحب سے بھی ان کے گھر پر ایک ملاقات میں کیا تھا۔ اس بات کا تذکرہ مولانا نے ڈاکٹر کلب صادق صاحب سے بھی لکھنؤ میں کیا ہم نے اس کی بھرپور حمایت کی اس لیے کہ اتحاد بین المسلمین کے جو مقاصد اس میں پوشیدہ تھے اس کی تائید ایک دینی فریضہ بھی تھا۔

پاکستان پہنچ جانے کے چند دنوں بعد مولانا جب اسلام آباد سے کراچی آئے تو انھوں نے حسب روایت مجھے صبح کے وقت فون کیا اور ہوٹل میریٹ میں ملاقات کے لیے کہا اور کہا کہ ڈاکٹر ہلالؔ نقوی کو بھی لے کر آیئے گا۔ مولانا چونکہ بنیادی طور پر شاعر تھے' ادب سے انھیں گہری دلچسپی تھی' ادبی لوگوں سے ملتے تو ان کی طبیعت کا رنگ ڈھنگ دوسرا ہی ہوجاتا چنانچہ ڈاکٹر ہلالؔ نقوی سے بہت دیر تک دوسرے ادبی موضوعات کے ساتھ ساتھ جوشؔ ملیح آبادی اور جمیلؔ مظہری پر بات

کرتے رہے اور بار بار جمیل مظہری کا یہ شعر پڑھتے رہے

کسے خبر تھی کے لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

ڈاکٹر ہلال نقوی ان دنوں اپنی نئی کتاب "جوش کے تعزیت نامے" ترتیب دے رہے تھے مولانا کوثر نیازی کے مرحوم بیٹے فاروق کا تذکرہ چھڑ گیا جن کی ناگہانی موت پر جوش صاحب نے مولانا کوثر نیازی کو تعزیتی خط لکھا تھا بعد میں مولانا نے یہ خط ڈاکٹر ہلال کو بھیج دیا۔

ادبی باتوں سے فارغ ہو کر انھوں نے اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق جشن علیؑ کے خاکہ پر گفتگو چھیڑ دی سب پہلے سے جناب حکیم محمد سعید صاحب کو فون کیا پتا چلا کہ وہ اسلام آباد تشریف لے جارہے ہیں مولانا نے ان سے اسلام آباد میں ملاقات کے لیے وقت لے لیا۔ مولانا حکیم صاحب سے اسلام آباد میں ملے اور انھیں پاکستان بوتراب سوسائٹی کے معتمد اعلیٰ اور سرپرست بننے کو کہا یہ نام خود مولانا کوثر نیازی نے تجویز کیا تھا۔ حکیم صاحب بخوشی اس کے لیے آمادہ ہوگئے اسی ہفتے ڈاکٹر کلب صادق صاحب بیرونی سفر سے لکھنؤ جاتے ہوئے کراچی ٹھہرے مولانا کو خبر ہوئی انھوں نے فون پر اسلام آباد آنے کی دعوت دے دی میں اور ڈاکٹر کلب صادق صاحب شام کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچ گئے۔اس ملاقات کی تفصیلات کافی ہیں مختصر یہ کہ مولانا ہم کو اسلام آباد میں شکر پڑیاں لے گئے' وہاں کی پر فضا اور خوبصورت جگہ پر ہی کھانا کھایا اسی دوران پاکستان بوتراب سوسائٹی کے بارے میں بہت سی تفصیلات سے انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو آگاہ کیا اور ان سے بھی درخواست کہ وہ اس سوسائٹی میں شریک ہوں۔

مولانا کوثر نیازی نے پاکستان بوتراب سوسائٹی کے آئندہ اقدامات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سال اس سوسائٹی کے تحت دو بین الاقوامی سیمینار ہوں گے ایک کراچی میں' دوسرا اسلام آباد میں۔ کراچی کا سیمینار

مد ینتہ ا لحکمہ میں حکیم محمد سعید صاحب کے زیراہتمام ہوگا جب کہ دوسرا سیمینار ہوٹل ہالی ڈے ان اسلام آباد میں ہوگا۔ کراچی کے جشن مرتضوی کو یوم علیؑ سے مربوط کر دینے کی تجویز بھی انھوں نے دی۔

دوسرے روز صبح کا ناشتہ مولانا کے دولت کدہ پر ہی ہوا انھوں نے اس کا اہتمام روایتی طریقے سے لائبریری میں فرشی نشست پر کیا دوران گفتگو ڈاکٹر کلب صادق صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ میں لکھنؤ جانے سے پہلے حضرت جوش ملیح آبادی کی قبر پر فاتحہ پڑھنا چاہتا ہوں مولانا کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ ہم لوگ جوش صاحب کی قبر پر پہنچے فاتحہ پڑھی اور کوثر نیازی صاحب سے رخصت ہو کر کراچی کے لیے روانہ ہوگئے۔

پاکستان بوتراب سوسائٹی کے زیر اہتمام مد ینتہ ا لحکمہ میں پہلا سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت راجہ صاحب محمود آباد (سلیمان میاں) نے فرمائی اس سیمینار میں لندن سے جون کوپر (پروفیسر اور ٹیل اسٹیڈیز کیمبرج)، شیخ فضل اللہ حائری، ایرانی پارلیمینٹ کے رکن آیت اللہ شیخ کرمانی نے شرکت فرمائی۔

اسلام آباد میں پہلے روز کے سیمینار میں ان شخصیات کے ساتھ جن دوسرے لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں کراچی سے ڈاکٹر محمد حسن رضوی، ڈاکٹر ہلال نقوی، لاہور سے قیصر بارہوی، بادشاہی مسجد لاہور کے پیش امام مولانا عبدالقادر آزاد صاحب، راولپنڈی کے مولانا صاحبزادہ فیض علی فیضی چشتی اور سفیر ایران جناب آغا منصوری نے بھی اظہار خیال کیا اس کی صدارت وزیر اعلیٰ سرحد میر افضل خان صاحب نے فرمائی تھی۔ جب کہ مہمان خصوصی مولانا کوثر نیازی تھے۔

مولانا کوثر نیازی نے اس سیمینار میں جو تقریر کی وہ مولا علیؑ سے ان کے باطنی لگاؤ اور ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کی مظہر تھی۔ دوسرے روز کے سیمینار کی صدارت اس وقت کے وزیر مہذبی امور مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب نے فرمائی جب کہ مہمان خصوصی اس وقت کے وفاقی وزیر تعلیم جناب سید فخر امام تھے۔

اسی زمانے میں پاکستان میں سیاسی حالات تبدیل ہورہے تھے ایک عرصے بعد مولانا کوثر نیازی نے عملی سیاست میں باقاعدہ حصہ لینا شروع کر دیا تھا اس انتہائی مصروفیت کے باوجود ان کی ادبی اور دینی توجہات میں قطعی فرق نہیں آیا یہ وہ دن تھے جب جنگ پبلی کیشن نے جوش ملیح آبادی کا غیر مطبوعہ کلام "محراب و مضراب" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر کلب صادق صاحب نے جوش سے متعلق لکھنؤ میں ایک پروگرام کے انعقاد کا ذکر کیا' مولانا کوثر نیازی مرحوم کی رائے یہ تھی کہ اسے جوش صاحب کی نئی کتاب کی حوالے سے ترتیب دیا جائے چوں کہ اس کے لیے مناسب وقت یہی ہے۔ پروگرام کو حتمی شکل دے دی گئی مولانا کوثر نیازی' ڈاکٹر گوپی چند نارنگ' ڈاکٹر ہلال نقوی' ڈاکٹر نیر مسعود اور بعض دوسرے اسکالرز سے رابطہ بھی کر لیا گیا مگر بابری مسجد کی شہادت نے صورتحال یکسر بدل دی اور اس پروگرام کا انعقاد نہ ہوسکا۔

پاکستان میں اس دوران حکومت تبدیل ہوگئی مولانا مختصر مدت کے لیے وزیر اطلاعات ہوئے اور پھر بعد میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین کی حیثیت سے انھوں نے اپنے فرائض انجام دینا شروع کیے۔ اور ہمہ وقت وہ اس کام میں مصروف ہوگئے لیکن ان مصروفیتوں کے باوجود انھوں نے مستقبل قریب میں ہونے والے جشن مرتضوی کے پروگراموں کی ترتیب اور اس کے انعقاد کی تیاریوں کے لیے باقاعدہ وقت دینا شروع کیا۔

۱۹۹۳ء میں ماہ رجب کے موقع پر میریٹ ہوٹل کراچی میں سیمینار کا انعقاد ہوا اس وقت کے گورنر اور پاکستان بوتراب سوسائٹی کے معتمد اعلیٰ جناب حکیم محمد سعید صاحب نے صدارت فرمائی جب کہ مولانا کوثر نیازی اس پروگرام کے مہمان خصوصی تھے اس سیمینار میں ڈاکٹر کلب صادق' پروفیسر کرار حسین' ڈاکٹر حسین محمد جعفری' ڈاکٹر معصوم عابدی' (لاہور) ڈاکٹر دھانجی (صدر آغا خان کونسل) جناب منصور بھائی صاحب (صدر داؤدی بوہرا جماعت) جناب انور سعید (صدر انجمن سادات

امروہہ)' جناب احمد جعفر' مسٹر گینگری (کونسل جنرل جنوبی افریقہ) اور جناب مصطفیٰ گوکل نے بھی خطاب کیا۔

علامہ رشید ترابی سے مولانا کوثر نیازی تک جشن مرتضویؑ کی ایک بڑی زندہ تاریخ ہے یہ مختلف جشن اتحاد بین المسلمین کی اتنی بڑی یادگار ہیں کہ اس کے لیے دوسری مثال دینا مشکل ہے۔ گزشتہ ۴۰ برس میں جن علماء حکما اور شعرا و ادبا نے اس میں شرکت کی ان کی فہرست بہت طویل ہے چند نام جو اس وقت ذہن میں ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فرقہ واریت اور عقیدہ و مسلک کے امتیازات سے ہٹ کر یہ جشن اس صدی کا سب سے مرکزی پروگرام ہوتا تھا اور بحمداللہ آج بھی ہوتا ہے۔

جن شرکاء کے اسمائے گرامی اس وقت ذہن میں ہیں وہ یہ ہیں۔ علامہ رشید ترابی' جناب محمد امیر محمد خان راجہ صاحب محمود آباد' علامہ عقیل ترابی' مولانا شفیع اوکاڑوی' پیرصاحب مانکی شریف' مولانا عبدالحامد بدایونی' آقا مرزا محمد مہدی پویا' مولانا ریاست علی قادری' جناب حکیم محمد سعید صاحب' آقائے شریعت' مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی' مولانا یعقوب کیماڑی والے' مولانا عباس کمیلی' علامہ رضی جعفر' آغا عبدعلی شاہ' مولانا اصغر درس' مولانا ناصر جلالوی' مولانا علی حاکم' جناب مرتضیٰ پویا' مولانا توقیر زیدی صاحب پروفیسر محمد حسن رضوی' کموڈور خالد جمیل صاحب' اور بعض دوسرے حضرات۔ ہندوستان سے جو مہمان شرکت فرماتے رہے ان میں خواجہ حسن نظامی ثانی' کنور مہندر سنگھ بیدی اور جگن ناتھ آزاد قابل ذکر ہیں۔

مختلف وقتوں میں جو وزرا شریک ہوتے رہے ان میں جناب میر علی احمد تالپور (سابق وزیر دفاع) جناب سجاد علی شاہ (سابق وزیر تعلیم) میجر جنرل شاہد حامد صاحب (سابق وفاقی وزیر اطلاعات) جناب غوث علی شاہ (سابق وزیر قانون) جناب میر نبی بخش زہری (سابق سینٹر) جناب غلام دستگیر (سابق وزیر محنت و افرادی قوت) جناب وزیر احمد جوگیزئی (سابق ڈپٹی اسپیکر قومی اسمبلی) جناب سید فخر امام (سابق وفاقی وزیر

بلدیات) جناب میر ہزار خان بجارانی (سابق وزیر دفاع)، جناب میر مہران خان بجارانی (سابق وزیر ثقافت) اور سابق چیف الیکشن کمشنر جناب جسٹس ایس۔اے نصرت۔ گزشتہ برس کے جشن مرتضوی نشتر پارک میں سندھ کے موجودہ وزیر اعلیٰ جناب سید عبداللہ شاہ صاحب نے بہ حیثیت صدر جلسہ شرکت فرمائی۔

مولانا کوثر نیازی کی ان تقاریر کو یکجا کرنے کی بھی ایک الگ داستان ہے جس کا بیان اس ابتدائی گفتگو کو بہت طویل کر دے گا مختصراً یہ کہ وڈیو کیسٹس سے ان تقاریر کو بہت توجہ اور صحت کے ساتھ کاغذ پر منتقل کیا گیا بعض ایسے مقامات جہاں تاریخی کتب اور آیات و حدیث کے حوالے آتے ہیں ان مشکل مقامات پر میری مدد پاکستان اسٹڈیز سنٹر (کراچی یونی ورسٹی) کے ڈائریکٹر محترم ڈاکٹر حسین محمد جعفری صاحب نے میری راہنمائی فرمائی میں ان کا بے حد مشکور ہوں۔

کتاب کے آخر میں مجھے مولانا کوثر نیازی مرحوم کے صاحبزادوں ڈاکٹر رؤف نیازی اور طارق نیازی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے نہ صرف مولانا کی اسلام آباد کی ایک یادگار تقریر کا کیسٹ فراہم کیا بلکہ انتہائی خلوص نیت اور جذبہ تعاون کے ساتھ اس بات کی اجازت بھی دی کہ ہم مولانا کی تقریر کو یکجا کر کے شائع کریں۔خدا ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

ہادی عسکری

یکم نومبر ۱۹۹۴ء، کراچی

پیر مرا علی ولی
دم بہ دم علی علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(تقاریر)

مولانا کوثر نیازی مرحوم

جشن علیؑ منانے کا ایک مطلب یہ بھی
ہے کہ ہم اس حماقت، عداوت اور جہالت
کے دور میں شہر علم کے دروازے پر دستک
دیں اور عرفان و آگہی اور شعور و ہدایت
کی بھیک مانگیں۔

علیؑ پہلے مسلمان نہیں

پہلے ہی سے مسلمان تھے

آج ۱۲/ رجب ہے آج دنیائے کائنات میں عجب نور دیکھ رہا ہوں آج فقط شیعان علیؑ کی ہی عید نہیں آج علم، فقہہ، حساب، فصاحت، بلاغت اور تقریر و کتابت کی عید ہے۔

آج تصوف و طریقت، تقویٰ و طہارت، عبادت، کرامت اور ولایت کی عید ہے۔ آج خلافت و امامت کی عید ہے۔ آج ذہانت و ذکاوت کی عید ہے۔

آج تدبر اور شرافت کی عید ہے۔ آج تہذیب و ثقافت کی عید ہے۔ آج شجاعت اور اور بسالت کی عید ہے۔ آج صرف مسلمانوں کی عید نہیں آج عقل اور انسانیت کی عید ہے۔ آج وہ آیا جو خانہ کعبہ میں پیدا ہوا علیؑ کو اتارا حق نے تو عین کعبہ میں،

کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا

جو خدا کا گھر تھا وہ علیؑ کا گھر بنا جو بیت اللہ تھا وہ بیت علی بن گیا گویا قیامت تک وہ جو اربوں اور کھربوں انسان خانہ خدا کا طواف کریں گے وہ علیؑ کی جائے پیدائش کا بھی طواف کریں گے۔ خدا کے گھر میں پیدا ہوئے اور خدا کے گھر میں شہادت کا پیغام ملا۔

دوستو تاریخ انسانی اٹھا کر دیکھو اور مجھے بتاؤ علی سے پہلے کسی کو یہ شرف حاصل ہوا علیؑ کے بعد کسی کو یہ شرف حاصل ہوگا وہ کون سا انسان ہے جس کی زندگی کا آغاز اور انجام اتنا حسین ہو جتنا حسین آغاز اور انجام علیؑ کی زندگی کا ہوا۔

آج وہ آیا جسے دوسرے صحابہ کرام کے بعد ہم کرم اللہ وجہہ کے نام سے یاد کرتے ہیں' کیوں کرتے ہیں' شیعہ علما کی کتابوں کی بات نہیں کرتا۔ اہل سنت کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھو وہ بتائیں گے کہ جو ہم کہتے ہیں آپؑ کے چہرہ اقدس کو اللہ نے شرف عطا کیا۔ اللہ نے تکریم عطا کی ہم کیوں کہتے ہیں دوسروں کو رضی اللہ تعالی عنہ اس لیے کہتے ہیں' یہ فرق اس لیے ہے کہ جس نے کبھی غیر اللہ کے آگے اپنا ماتھا نہیں جھکایا جس کی زندگی کا ایک سانس بھی کبھی شرک اور بت پرستی سے آلودہ نہیں ہوا۔

تاریخ نگار اور تبصرہ نگار عجب ستم اٹھاتے ہیں اور غلط کہتے ہیں کہ پہلے ایمان کون لایا۔ پہلے مسلمان کون ہوا۔ کہتے ہیں کہ خواتین میں پہلے حضرت خدیجہؑ ایمان لائیں۔ مردوں میں حضرت ابوبکر ایمان لائے۔ غلاموں میں پہلے حضرت زید ایمان لائے بچوں میں حضرت علیؑ پہلے ایمان لائے میں کہتا

ہوں دوستو علیؑ کے بارے میں انصاف کی بات کرو مسلمان ہونے کا سوال تو اس کے لیے پیدا ہوتا ہے جو پہلے کسی اور مذہب پر ہو اور پھر ایمان لانے سے پہلے بت پرست ہو اور پھر ملحد ہوا ہو۔ پہلے کسی اور کا کلمہ پڑھتا ہو اور پھر اپنے آقا اور مولاؐ کا کلمہ پڑھے۔

کہتے ہیں علیؑ پہلے مسلمان تھے میں کہتا ہوں علی پہلے ہی سے مسلمان تھے اور دوستوں تبصرہ نگاروں اور تاریخ نگاروں کی ستم ظریفیوں کو کیا پوچھتے ہو انھوں نے کیا کیا ستم ظریفیاں نہیں اٹھائیں کیا کیا گل نہیں کھلائے جب بنو امیہ کے خزانوں کے دروازے کھل گئے جب ان کی تھیلیاں زمینوں کو خریدنے لگیں جب علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب و شتم کی بوچھار برسنے لگی اور کیا کیا افسانے نہیں تراشے گئے۔ کیا کیا کہانیاں نہیں پھیلائی گئیں یہاں تک یہ بھی کہا گیا کہ علیؑ مرتضے کا حلیہ ایسا تھا اور ویسا تھا۔

اگر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتے تو پکڑو یہ ظالم کیا لکھتے ہیں۔ علیؑ کے بارے میں دنیا کے اس حسین مجسم کے بارے میں کیا لکھتے ہیں کہ پست قد تھا توند بڑھی ہوئی تھی ٹانگیں پتلی تھیں۔

خدا کا غضب یہ اس کے بارے میں کہا جارہا ہے جو عرب میں پیدا ہوا

وہ عرب تمام قوموں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ حسین ملک اور وہ عرب جن میں وہ قبیلہ جو بنو ہاشم کہلاتا ہے جو تمام حسن کا واحد قبیلہ تھا اس میں پیدا ہوئے اور کسی خاندان کے بارے میں جو بنو عبدالمطلبؑ کا گھرانا تھا اس کے بارے میں سیدنا علیؑ مرتضےٰ کے بارے میں یہ حلیہ بتاتے ہیں یہ حلیہ تراشتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں ظالم کہ وہ لوگ آنے والے زمانے تک قیامت تک میرے سرکار لوگوں کو خوابوں میں اپنی زیارت کرائیں گے وہ جو خوابوں میں آپؑ کو دیکھیں گے اور کتنے خوش نصیب ایسے ہیں جن کو وہ بیداری میں نظر آئیں گے پھر آپ کی شہادت کا کیا بنے گا۔ پھر ان کی شہادت کو کہاں لے جاؤ گے۔ اگر اس مجمع میں، میں پوچھ لوں کہ کتنے لوگ ہیں جنھوں نے سرکار امیرالمومنینؑ کو خواب میں دیکھا ہے تو کتنے ہی لوگ اب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مجھے معلوم ہے سرکار کا کرم کتنا عام تھا، کتنا عام ہے اور کتنا عام رہے گا۔ میں سنی سنائی بات نہیں کر رہا۔ میں بہت گنہگار ہوں بہت سیاہ کار ہوں، لیکن حب محمدؐ اور آل محمدؐ سے سرشار ہوں۔ شاید جناب امیرؑ نے مجھے اس شعر کا صلہ عطا فرمایا جو میں نے کہا تھا۔

کوثرؔ مجھے اس جرم سے انکار نہیں ہے
شیدا ہوں دل و جاں سے میں اولادِ علیؑ کا

میرے ایک دوست نے کہا یہاں جرم کا لفظ مناسب نہیں تم حُبِّ محمدؐ اور آل محمدؐ کو جرم کہتے ہو۔ حُبِّ علیؑ اور آلِ علیؑ کو جُرم کہتے ہو میں نے کہا یہی تو شعر کی جان ہے۔ اسے نکال دو گے تو شعر میں باقی کیا رہ جائے

گا۔ میں نے کہا اگر شک ہے کہ یہ جرم ہے کہ نہیں تو آزمائش کر لو تم انکا یوم پیدائش مناؤ اس ملک میں لوگوں کے دلوں کے دروازے کھل جائیں گے تم رام کا جنم دن مناؤ ٹی وی پر دکھایا جائے گا۔ حُبِّ علیؑ اور حب آلِ علیؑ کی بات کی تو تم پر زمین تنگ کر دی جائے گی تو یہ جرم مجھ سے سرزد ہوا اور میرے نامہ اعمال میں کوئی جرم نہیں یہی جرم ہے کہ جسے میں کل پیش کر کے اپنے آقاؑ اور مولاؑ سے شفاعت کا طلب گار رہوں گا۔

شاید اسی شعر کا صلہ تھا جب میں عراق گیا تو وزیر مذہبی امور کی حیثیت سے گیا ہمیں جس صبح نجف اشرف جانا تھا تو پاکستان کے سفیر جو وزیر خارجہ عزیز احمد کے بھائی تھے وہ میرے پاس آئے کیونکہ انھیں میرے ساتھ چلنا تھا۔ انھوں نے کہا کہ رات جناب امیرؑ میرے خواب میں آئے اور فرمایا انھوں نے کہ مجھے کوثر نیازی کے یہاں آنے کی خوشی ہے۔ ہم نجف چلے یہاں عجیب واقعہ ہوا جو پروٹوکول کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ آپ کو معلوم ہے گارڈ آف آنر ہیڈ آف اسٹیٹ کو دیتے ہیں اور وہ بھی ایئرپورٹ پر، کسی وزیر کو گارڈ آف آنر نہیں دیا جاتا۔ ہاں اگر بطور خاص اکرام منظور ہو تو اس کا صحیح مقام ایئرپورٹ ہوتا ہے۔ لیکن جب میں بندہ علیؑ نجف اشرف پہنچا تو روضۂ اقدس کے باہر مجھے گارڈ آف آنر دیا گیا گویا یہ جناب امیرؑ کی طرف سے اپنے مدح خواں اور اور اپنے ثنا خواں کا اعزاز و اکرام تھا۔

بات پھیل گئی بات جو کہنا چاہتا ہوں وہ آگے آنے والی ہے میں کہہ رہا تھا کہ جناب امیرؑ کا کرم عام ہے میں خود اس کا مشاہدہ کر چکا ہوں۔ وہ

خواب میں بھی آتے ہیں وہ زیارت کی پیاسی آنکھوں کو اپنی زیارت سے شرف یاب فرماتے ہیں اور مسلمانوں ہی کی قید نہیں کتنے غیر مسلم ایسے ہیں جنھوں نے آپؑ کو دیکھا ہے۔ اور میں مثال دوں گا ایک ایسے پارسی مفکر اور صحافی کی جو آکسفورڈ یونین میں اس وقت آکسفورڈ کا صدر تھا۔ پہلا اور آخری ہندوستانی جو اس مقام پر فائز ہوا' ڈی۔ ایف' کراکا' اس نے کتاب لکھی ہے اپنی آٹو بایو گرافی اپنی خود نوشت سوانح حیات اس کا نام ہے "Then came Hazrat Ali" اس نے کتاب میں ان احسانات کا ذکر کیا ہے جو اس پر جناب امیرؑ نے برسائے۔ قدم قدم پر کس طرح اس کی دستگیری کی۔ کس طرح اس کی زندگی بنائی وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب امیرؑ کو خواب میں دیکھا۔ جناب امیرؑ کہتے تھے۔۔۔ "میں تم سے مخاطب ہوں"۔

آؤ ایک غیر مسلم کی زبان سے میرے آقاؑ اور مولاؑ کا حلیہ سنو وہ کہتا ہے But I could not see except blinding light میں نہیں دیکھ سکا اس رخ اقدس کی جانب بجز اس کے کہ مجھے چونکا دینے والی اور آنکھوں کو خیرہ کر دینی والی ایک روشنی نظر آئی۔ ایک نور نظر آیا۔ It was just light looking in the sun جیسے میں سورج کو دیکھ رہا ہوں۔

آج کے دن وہ آیا جس کا چہرہ اقدس خورشید کی طرح تاب و درخشاں تھا۔ جس کا ماتھا کبھی غیر اللہ کے آگے نہیں جھکا تھا۔ جس نے اپنی آنکھیں اللہ کے گھر میں کھولیں اور پرورش آغوش رسالتؐ میں پائی اور جو "پہلا مسلمان نہ تھا پہلے ہی سے مسلمان تھا" اور جس کے چہرے کو اللہ نے عزت و شرف اور کرم عطا کیا اس لیے ہم کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ اور میں

تو اس سے آگے بڑھ کر کہتا ہوں صرف علی مرتضیٰؑ کو ہی یہ شرف حاصل نہیں ہوا یہ کرم ان کے تمام آباؤ اجداد پر بھی ہوا۔ وہ بھی دین ابراھیمیؑ پر تھے۔ وہ بھی دین اسلام پر تھے انھوں نے بھی کبھی شرک نہیں کیا۔ انھوں نے بھی کبھی بت پرستی نہیں کی انھوں نے بھی کبھی غیر اللہ کے آگے سر نہیں جھکایا۔

تذکرہ نگاروں، تاریخ نگاروں کی کیا پوچھتے ہو۔ انھوں نے تو بغض علیؑ میں جناب ابو طالبؑ کو بھی معاف نہیں کیا۔ وہ تاریخ کیا اسلامی تاریخ ہوگی جو ابو سفیان کے ایمان کا یقین دلاتی ہو اور ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں شک و شبہات پیدا کرتی ہو۔

کہتے ہیں بخاری نے کہا حدیث بخاری کی ہے کہ لوگوں نے سرکار رسالت مآبؐ سے پوچھا کہ جناب ابو طالبؑ نے آپؐ پر بڑے احسانات کیے ہیں کیا ان احسانات کا صلہ بھی کچھ انھیں ملے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا خاکم بدھن کہ ہم نے انھیں جہنم میں دیکھا ہم اللہ سے شفاعت کریں گے تو قیامت کے دن ہم انھیں اس مقام پر لے آئیں گے کہ آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی مگر دماغ کھول رہا ہوگا۔

دوستو میں فرقہ واریت پر ایمان نہیں رکھتا میں طالب علم ہوں میں کہتا ہوں کیا کسی طالب علم سے یہ بات پوشیدہ ہے کہ شفاعت صرف اہل ایمان ہی کی سرکار رسالت مآبؐ کریں گے۔ اگر ابو طالبؑ اہل ایمان میں سے نہ

تھے تو ان کی شفاعت سرکار رسالت مآبؐ کیسے کریں گے۔ کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا اپنے رب کے سامنے مگر اس کی اجازت سے اللہ اجازت دے گا کہ جناب ابوطالبؑ کی شفاعت کرو پھر وہ شفاعت کیا شفاعت ہوگی کہ سرکارؐ شفاعت کریں گے اور جناب ابو طالبؑ جو ہیں ان کی مغفرت نہیں ہوگی کیا شفاعت کا یہ تصور ہے جو ہم عرض کرنا چاہتے ہیں اور پھر کیا صلہ احسان کا دلا رہے ہو وہ خدا جو قرآن میں کہتا ہے "احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں" وہ تم ابو طالبؑ کے احسانات بھول جاتے ہو کہ ایک ایک سانس سرکار رسالت مآبؐ کا مرہون احسانات ابوطالبؑ ہے۔ کیا بھول جاتے ہو اس بات کو کہ جناب ابو طالبؑ شعب ابی طالب میں رات کو آغوش میں آپؐ کو لٹا لیتے ہیں جب رات بیت جاتی تو وہاں سے آپؐ کو اٹھاتے ہیں اپنے بیٹے کو وہاں لٹا دیتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن اسلام سوتے میں آپؐ کو شہید کر دے وہ ابوطالبؑ جس نے نکاح پڑھایا جناب رسالت مآبؐ کا رسولؐ کے نکاح پڑھانے والے کو خطبہ پڑھنے والے کو کہتے ہو کہ ایمان سے خارج تھا۔

تاریخ نگارو، انصاف سے کام لو خود لکھتے ہو کہ آپؑ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؑ بنت اسد ان بیویوں میں سے تھیں جو شروعِ شروع میں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ خود مانتے ہو اس میں کوئی اختلاف نہیں کسی سنی کسی شیعہ کو مگر وہ جناب ابوطالبؑ کی زندگی میں آٹھ سال ان کی زوجہ محترمہ بن کر رہیں اور قرآن کہتا ہے کہ

ایک مشرک کا نکاح کسی ایک مومنہ سے نہیں ہو سکتا اور کسی مومنہ کا

نکاح کسی مشرک اور کافر سے نہیں ہو سکتا۔

مگر وہ کیا پیغمبرؐ تھا کہ آٹھ سال تک اس نے فاطمہؑ بنت اسد اور ابوطالبؑ کو ایک رہنے دیا ان کو الگ نہیں کرایا اور پھر بھی کہتے ہو کہ جناب ابوطالبؑ مومن نہیں مشرک تھے۔

میں بہت گنہگار انسان ہوں مگر کہتا ہوں۔

خدا کی قسم جس جنت میں ابوطالبؑ نہیں ہوں
گے مجھ جیسا گنہگار آدمی بھی اس جنت میں
جانے کے لیے تیار نہیں"

تو آج وہ آیا جس کا نفس نفس توحید سے سرشار تھا جس نے آنکھ توحید پر کھولی اور جس کے آباؤاجداد بھی توحید کا علم زندگی میں بلند کرتے رہے۔ جنھوں نے شرک اور بت پرستی سے اپنا دامن آلودہ نہیں کیا۔

آج وہ آیا جو آج ہمارے دلوں میں عید منانے کا باعث بن رہا ہے جو آج اس رات کو بھی بقہ نور بنائے ہوئے ہے۔

آج وہ آیا جس نے اسلامی نظام اور غیر اسلامی نظام میں فرق واضح کیا جو خلافت اور ملوکیت میں حد فاصل تھا جس نے بتایا کہ اصول پرستی اور امانت کو اسلامی نظام سیاست میں کیا مقام حاصل ہے۔ جس نے اپنے عمل سے بتایا بھائی اگر دشمن کے پاس چلا جائے تو چلا جائے مگر اس کا وظیفہ بیت المال سے بند نہ ہو جس نے یہ بتایا کہ لوگ ساتھ چھوڑ دیں تو چھوڑ دیں مگر ضمیروں کو خریدنے کی کوشش نہ کرو۔ جس نے یہ بتایا کہ لوگ غلط بات پر قائم رہیں تو ان پر لعنت بھیجو۔ صحیح بات پر ڈٹے رہو چاہے اس پر جان ہی

کیوں نہ چلی جائے۔

خلفائے راشدین میں جو پہلے دو خلفا کا عہد تھا اس میں ان کا مقابلہ کافروں سے تھا مرتدوں سے تھا۔ منکرین زکوٰۃ سے تھا یہ مشکل بات نہ تھی مگر آپؑ کا مقابلہ مسلمان کہلانے والے کلمہ گو مسلمانوں سے تھا یہ بہت مشکل اور کھٹن کام تھا۔ آپؑ نے اپنے عمل سے بتایا کہ اسلامی نظام سیاست و خلافت کو ناکام بنانے کے لیے اگر ذوالفقار حیدری کو مسلمانوں کا خون بھی بہانہ پڑے تو علیؑ دریغ نہیں کرے گا۔

آج وہ آیا جس نے مشکل ترین لمحات میں بھی برصغیر پاک و ہند میں رہنے والے ہم بے کسوں کو فراموش نہیں کیا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ اکثر کہا جاتا ہے سندھ کے فاتح محمد ابن قاسم ہیں میں کہتا ہوں یہ ادھوری سچائی ہے۔ یہ پھر جناب امیرؑ کے کارناموں کو چھپانے کی کوشش ہے۔ کس مورخ نے اس بات پر شک کیا ہے مجھے اس کا نام بتاؤ۔

آج تمام سنی شیعہ مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ سندھ کے صوبے پر سب سے پہلا اسلامی لشکر جناب امیرؑ کے عہد میں بھیجا گیا۔ اور صوبہ سندھ آپؑ کے زمانے میں فتح ہوا اور اے اہل سندھ تم اس بات پر فخر کرتے نہ تھکو گے کہ یہ سندھ جناب علیؑ کا سمدھیانا تھا۔ علامہ ابن قطیبہ جو قدیم مورخ اسلام ہیں وہ لکھتے ہیں امام زین العابدینؑ کی ایک زوجہ محترمہ سندھی

تھیں۔ سندھ میں انھوں نے شادی کی تھی اور
ان سے حضرت زید شہید یہیں پیدا ہوئے وہ تو
سندھ کے مسلمانوں کو کراچی کے مسلمانوں کو
اپنے اس محسن کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

آج وہ آیا جس نے ابد تک قیامت تک تمام فتوحات اسلامی کے رستے ہموار کیے کچھ لوگ کہتے ہیں. معلوم نہیں نادانی سے کہتے ہیں یا شرارت سے کہتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ جناب علیؑ کے زمانے میں فتوحات نہیں ہوئیں۔ قیصر و کسری کے تخت نہیں الٹے ایران اور روم بھی فتح نہیں ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ پھر انصاف شرط ہے۔ جو یہ بات کرتے ہیں ذرا سوچو دوستو اگر تاج محل کی بنیاد رکھنے والے نے اس کی بنیاد نہ رکھی ہوتی تو تاج محل کی عمارت بن سکتی تھی۔ اگر بیج بونے والے نے بیج نہ بوئے ہوتے تو کوئی فصل کاٹ سکتا تھا۔ اگر بدر و احد خندق و خیبر میں ذوالفقار حیدری نہ چمکی ہوتی عمر عبدوود اور مرحب کے پرخچے ذوالفقار حیدری نے نہ اڑائے ہوتے بدر و احد میں پشتے کے پشتے نہ لگائے ہوتے تو کیا تمھاری فتوحات ایران اور روم تک پہنچ سکتیں تھیں جس نے اسلامی فتوحات کی بنیاد رکھی۔ جس نے تمام مشکلوں کو ختم کیا۔ جس نے تمام پتھروں کو ہٹا دیا۔ جس نے وہ بیج بوئے کہ تم نے فتوحات کی فصل کاٹی اس کے بارے میں کہتے ہو کہ اس کے دور میں فتوحات کا دروازہ نہیں کھولا گیا اور اسلام آگے دوسرے ملکوں تک نہیں پہنچا۔

دوستان عزیز! آج وہ آیا کہ جس کے آنے سے ہر صاحب ایمان نور ایمان سے مالا مال ہوگیا۔ میں اپنی بات کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا مجھے سرکار علامہ عقیل ترابی صاحب کی تقریر سننے کا بھی اشتیاق ہے اپنی تقریر ان اشعار پہ ختم کرتا ہوں کہ آج وہ آیا جس کے بارے میں میرے مرحوم دوست جوش ملیح آبادی نے کہا

○

گُل ہوگیا زمین پہ، اوہام کا چراغ
تشکیک سے یقین کو حاصل ہوا فراغ
جھوما نسیمِ عقل سے نوعِ بشر کا باغ
اُترا دماغ دل میں تو دل بن گیا دماغ
اوجِ خِرد پہ صبح کی سرخی عیاں ہوئی
یہ آئے تو حریمِ نظر میں اذاں ہوئی
سلمائے روزگار کو زرّیں قبا ملی
انسانیت کو، دولتِ صَد ارتقا ملی
ہنستی ہوئی قدر کے گلے سے قضا ملی
آغوش میں رَسولؐ کو اپنی دعا ملی
جیسے ہی نِصف نور ملا نِصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

منبر پر آفتابِ تکلّم عیاں ہوا
موج مئے غدیر لیے، خُم عیاں ہوا
دریائے مَرحمَت میں تَلاطُم عیاں ہوا
انصاف کے لبوں پہ تبسّم عیاں ہوا
ڈالی نگاہ، فخر سے، دُنیا نے دین پر
قرآن، آسمان سے اترا زمین پر

(۱۹۸۶، نشتر پارک کراچی، ۱۳ رجبُ المرجب)

اُن کے کیوں ہو کے رہ گئے کوثر
بزمِ احباب ہم سے برہم ہے

'مَیں علم کا شہر ہُوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں'

—— ریسرچ اور تحقیق کے نام پر یار لوگوں نے اس تابناک حدیث پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی ہے سچ پوچھئے تو یہ لوگ محقق اور مُصنّف نہیں ہیں اہلبیتِ اطہارؑ کے خلاف شمر ذی الجوشن، یزید اور ابنِ زیاد کے مقدّمے کے وکیلِ صفائی ہیں۔

کوثرؔ مجھے اس جُرم سے اِنکار نہیں ہے
شیدا ہوں دل و جاں سے مَیں اولادِ علیؑ کا

فضائلِ علیؑ و ابو طالبؑ

ہمیں یوم علیؑ کمیٹی اور پاکستان بوتراب سوسائٹی کا دل سے ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے پاکستان میں پچھلے کئی سالوں میں پہلی مرتبہ اس بین الاقوامی جشن علیؑ کی داغ بیل ڈالی۔ آج اور کل اس کے یہاں اجتماعات ہیں اور ۱۰ر اور ۱۱ جنوری کو اسلام آباد میں ہوں گے۔ اور دعا کیجئے کہ اس ملک کا سالانہ Feature بن جائے کہ ہر سال یہ بین الاقوامی جشن علیؑ اس سرزمین پر منعقد ہو۔ پچھلے دو سالوں سے میں بھارت میں جشن مولود کعبہؑ میں شریک ہوتا رہا ہوں اور یہ بین الاقوامی جشن ہوتا تھا مجھے بہت شرم آئی کہ بھارت میں تو جشن مولود کعبہؑ ہو اور بین الاقوامی ہو' اور پاکستان اس بین الاقوامی جشن سے محروم رہے۔ میں نے وہیں فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنے احباب کو کہوں گا کہ وہ اس سال بین الاقوامی جشن علیؑ کی بنیاد رکھیں اور آپ یہ

سن کر خوش ہوں گے کہ اسلام آباد میں جو استقبالیہ کمیٹی بنی ہے اس میں سب کے سب اراکین نوجوانانِ اہلِ سنت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ جو جشن منعقد ہو رہا ہے جو وارثِ علومِ مصطفیٰؐ سلطانِ اولیاؒ تاجدارِ ہل اتاؑ مشکل کشاؑ شیر خدا علیؑ مرتضیٰؑ کا جشن ہے اور جو لقب بیان کر رہا ہوں جو عنوان دے رہا ہوں وہ اپنے پاس سے نہیں دے رہا۔

علامہ اقبال نے جناب امیرؑ کو ان ہی القاب سے یاد کیا ہے۔ سیدنا فاطمتہ زہراؑ کی شان میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

بانوئے آں تاجدارِ ہل اتا
مرتضیٰ مشکل کشا، شیر خدا

تو یہ الفاظ اور یہ تراکیب اور یہ القاب اور آداب کسی ایک مکتب فکر کی جاگیر نہیں، کسی ایک مکتب فکر کے عطا کردہ نہیں، یہ وہ ہیں کہ تمام عاشقانِ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کا ایمان ہیں، میں نے دیکھا کہ جب جشن مولود کعبہؑ کے الفاظ آتے ہیں تو کچھ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

اس دور میں اب تحقیق اور ریسرچ بھی عجب رستوں پر چل پڑی ہے۔ اب وہ باتیں بھی جو متفق علیہ تھیں جو ہمیشہ سے مانی جاتی رہیں ہیں اور مُسلّمہ رہی ہیں جب تک ان میں تشکیک پیدا نہ کی جائے، جب تک اس میں شبہ پیدا نہ کیا جائے تو ریسرچ اسکالر اور محقق کہلانے والے لوگوں کا اطمینان نہیں ہوتا۔

یہی تحقیق کا انداز رہا تو کل یہ ریسرچ بھی سامنے آئے گی کہ قائد اعظم

محمد علی جناح تاجکستان میں پیدا ہوئے تھے۔ اور بادشاہی مسجد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بنائی۔ لیکن میں کہتا ہوں اس سے کیا فرق پڑے گا۔

اگر محققین اور ریسرچ اسکالر کہلانے والے کچھ لوگ چند اور گمنام افراد کو بھی سامنے لے آئیں کہ وہ بھی خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ مگر زمانہ تو ان کا نام نہیں جانتا زمانے نے تو پہلے حرف غلط کی طرح انھیں اپنی لوح سے مٹا دیا۔ لیکن میں کہتا ہوں علی مرتضےٰؑ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے تو اس وجہ سے علی مرتضےٰؑ کا تو شرف نہیں ہے۔ یہ شرف تو خود خانہ کعبہ کا شرف ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی صفحہ ۳۲۷ پر ایک حدیث رسولؐ بیان کرتے ہیں اور الریاض النضرہ جلد دو صفحہ ۲۲۹ پر ۲۰ طریقوں سے یہ روایت منقول ہوئی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ

النظر الی وجہ علی عبادہ علی کے چہرے کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے تو علیؑ کے چہرے کو بھی دیکھنا عبادت ہے۔ کعبہ بیت اللہ ہے تو علیؑ اسد اللہ ہے۔ کعبہ بیت اللہ ہے تو علیؑ ید اللہ ہے۔

کعبہ منبع انوار ہے تو علیؑ خدا اور رسولؐ کا شاھکار ہے کعبہ کو اللہ کے

نام سے نسبت ہے تو علیؑ کا نام بھی "علی العظیمؒ" سے نکلا ہے جو خدا کا نام ہے اور کعبہ کے پتھر چومنے سے اگر گناہ دھلتے ہیں تو علیؑ کے قدم چومنے سے غوث و قطب بنتے ہیں ہاں ایک فرق ضرور ہے کہ کعبہ صنم خانہ بن جائے تو خود سے اپنے آپ کو پاک نہیں کرسکتا یہ علیؑ کا کام ہے کہ اسے پاک کرے اور پھر کعبہ بنا دے۔

میں آج کی گفتگو میں کوئی شیعی روایت
بیان نہیں کروں گا تاکہ یہ خیال نہ رہے کہ یہ
تو شیعہ حضرات کا کام ہے وہ غلو کرتے ہیں میں
جتنی روایات بیان کروں گا وہ سب وہ ہیں جو
اہل سنت کے ہاں موجود ہیں۔

اُسُد الغابہ جلد چہارم صفحہ ۳۱ پر ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے علی مرتضیٰؑ سے فرمایا

انت بمنزلتہ الکعبہ

تو کعبہ کا مرتبہ رکھتا ہے کعبہ کا مقام رکھتا ہے جس کو آنا ہے خود تمھارے پاس آئے، تمھیں کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، فارسی کا شعر یاد آگیا

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کُجا بہرِ تماشا می روی

اور علیؑ خدا کے گھر میں پیدا ہوتا ہے خدا علیؑ کے گھر سے ملتا ہے

بصد تلاش نہ کچھ وسعت نظر سے ملا

نشان منزل مقصود راہبر سے ملا
علیؑ ملے تو ملے خانہ خدا سے ہمیں
خدا کو ڈھونڈا تو وہ بھی علیؑ کے گھر سے ملا

تو علیؑ کی شان اس میں نہیں کہ وہ کعبہ میں پیدا ہوئے کعبہ کی شان اس میں ہے کہ علیؑ اس میں پیدا ہوئے۔ یہ جشن جو ہم منا رہے ہیں یہ جشن منانا جان ایمان ہے' روح ایقان ہے' اور اجر رسالتؐ کا عنوان ہے۔ قرآن پاک کی وہ آیت تو آپ کو یاد ہے۔ جو سب واعظوں' خطیبوں اور علما کی زبان پر ہے کہ

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودتہ فی القربی رسولؐ فرما رہے ہیں اپنی امت سے کہ اے اہل ایمان میں کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں۔ فقط قربیٰ کی مودت اور قربیٰ کی محبت کے سوا یہ اجر ہے میری رسالت کا' یہ مزدوری ہے میری رسالت کی کہ میں اور کوئی اجر تم سے اس کے سوا نہیں چاہتا۔

قربیٰ کون ہیں جلالین کو دیکھ لیجئے' تفسیر کبیر کو دیکھ لیجئے' تفسیر طبری کو دیکھ لیجئے' معالم کو دیکھ لیجئے' زرقانی کو دیکھ لیجئے' اور اس دور کی تفسیر حقانی کو دیکھ لیجئے۔ قربیٰ سے مراد یہ سب اہل تفسیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد' علیؑ' فاطمہؑ اور ان کے دونوں لخت جگر ہیں۔ اس لیے نہیں کہ قربیٰ رشتہ دار ہیں' رشتہ داری تو اہم چیز ہے

رشتہ دِگر است جگر جگر است

قربیٰ کی بات نہیں رشتہ داری کی بات نہیں اجر یہ ہے میری رسالتؐ کا کے

میں نے اللہ کا پیغام پہنچایا تو یہ اجر مانگ رہا ہوں اپنے لیے کہا اس میں میرا بھلا نہیں ہے میرے اہل بیتؑ کا بھلا نہیں بھلا خود تمھارا اپنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

کہ اے پیغمبرؐ جو اجر میں تم سے مانگ رہا ہوں وہ تمھارے لیے ہے میرے لیے نہیں تم محبت کروگے ان سے تو اللہ کی نظر میں خود محبوب ہو جاؤ گے۔

میرا اجر تو میرے اللہ کے ذمہ ہے مجھے اجر کی ضرورت نہیں۔ یہ اجر تو خود حقیقت میں تمھارے لیے ہے اس لیے ان سے محبت مجھ سے محبت ہے کیونکہ یہ میری ذات کی، توسیع ہیں میری ذات کی Extension ہیں میری ذات کی Expansion ہیں علیؑ سے محبت مجھ سے محبت ہے۔ حسنینؑ سے محبت مجھ سے محبت ہے فاطمہؑ سے محبت مجھ سے محبت ہے اور مجھ سے محبت ایمان کی جان ہے اور ایقان کی جان ہے اور اگر مجھ سے محبت نہ ہو تو تمھارا ایمان نفاق بن جاتا ہے ایمان نہیں رہتا۔ بیدم نے کہا تھا

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرُ النساؑ حسینؑ و حسنؑ مُصطفیٰؐ علیؑ

جشن مولود کعبہؑ کی جب بات ہوتی ہے تو اس سے حقیقت میں ہم کچھ تھوڑا سا احسان محسن اسلام حضرت ابو طالبؑ کا بھی اتارنے کی کوشش کریں، لکھنؤ سے ایک کتاب چھپی ہے ڈاکٹر کلب صادق کی نظر سے ضرور گزری ہوگی اس کے مولف ہیں، مولانا عبداللہ عباس ندوی فاضل جلیل ہیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دارالعلوم ندوۃ العلوم میں تدریس

کا فرض انجام دیتے ہیں اور مولانا علی میاں نے اس پر مقدمہ لکھا ہے کتاب کا نام ہے۔

"عربی میں نعتیہ کلام"

اور عربی میں نعتیہ کلام کی اس جلد میں مولانا عبداللہ عباس ندوی نے جس پہلے نعت گو شاعر کا نام لکھا ہے وہ حضرت ابوطالبؑ ہیں اور ان پر کیا منحصر ہے صحیح بخاری نے حضرت ابوطالبؑ کا وہ شعر نقل کیا ہے جس میں حضرت ابوطالبؑ فرماتے ہیں کہ وہ خوبصورت چہرہ کہ جس کے طفیل بادلوں سے پانی مانگا جاتا ہے جو یتیموں کی پناہ ہے اور بیواؤں کا سہارا ہے اور یہ واقعہ بھی صحیح بخاری میں نقل کیا کہ مدینہ شریف میں قحط پڑھ گیا ایک مرتبہ بارش نہیں ہورہی تھی صحابہ کرام آئے کہ یارسولؐ آپؐ دعا کیجئے کہ بارش ہوجائے آپؐ نے دعا کی تو دعا کے لیے ابھی ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے کہ بادل گھر کر آگئے اور چھما چھم مینہ برسنے لگا تو سرکار نے جب یہ دیکھا تو فرمایا اگر ابوطالبؑ یہ دن دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور پھر فرمایا کہ کوئی ہے جو ہمیں ان کا شعر سنائے۔ جناب علیؑ نے وہ شعر سنایا' آپؐ نے فرمایا کہ ہم یہی شعر سننا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ ابوطالبؑ ہوتے تو یہ دیکھ کر خوش ہوتے اب یہ بارش کا ہونا کیا تھا حضرات یہ معجزہ تھا اور معجزہ کو دیکھ کر خوش مومن ہوتا ہے یا کافر ہوتا ہے ۔ اور کیا ظلم ہے جس کا بیٹا قاسم فردوس ہے لوگ اس کو کہہ رہے دوزخی اور خاکم بدھن کس ابوطالبؑ کے بارے میں کہا جارہا ہے جس کا بھائی سیدنا عبداللہ جو سرکار دوعالمؐ کے والد ماجد تھے۔ جس کی بھاوج سیدہ آمنہؑ سردار دو عالم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ جس کا

بھتیجا سید اولاد آدمؑ اور سید العالمینؐ اور جس کی بیوی فاطمہؑ بنت اسد جن کو رسولؐ نے اپنی ماں کہا اور جس کا بیٹا امام اولیا سید علی مرتضےٰؑ اور جس کی بہو فاطمہ زہرا سیدۃ النسآ اور جس کے پوتے رسولؐ کے قرۃ العینؑ، امامینؑ، کریمینؑ، نقیینؑ، تقیینؑ، سیدینؑ، شہیدینؑ، نیرینؑ، قمرینؑ، طاہرینؑ، ابو محمدؑ، امام حسنؑ، و ابو عبداللہؑ، امام حسینؑ، اور جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے کہا کہ

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذاتِ حسنینؑ
تمثیل نے اس سائے کے دو حصے کیے
آدھے سے حسنؑ بنے ہیں آدھے سے حسینؑ

اور کون ابوطالبؑ جو پیکر ایثار ووفا تھا جو صاحب صدق و صفا تھا، سردار بطحا تھا، رئیس مکہ تھا، متولی کعبہ تھا، جو فخرالاباء و شعرا تھا۔ عم سلطان انبیاؐ تھا، سید صحابہ تھا، اور پہرہ دار مصطفےٰؐ تھا۔ ہاں ہاں پہرہ دار مصطفےٰؐ تھا اور جب سرکارؐ شعب ابی طالب میں نظر بند تھے تو جاں نثار مصطفےٰؐ سیدنا ابوطالبؑ نے کس طرح ان پر پہرہ دیا اور کس طرح ان کی محافظت کی اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوہ جلد دوئم میں لکھتے ہیں۔

"--ایک لمحہ کے لیے سرکارؐ کی حفاظت سے
اور پہرہ داری سے آپؑ نے تساہل اور تغافل
نہیں برتا اور جب آپؐ نیند فرماتے تو اپنی تلوار

آپؐ ہاتھ میں لے کر اس جگہ پر پہرہ دیتے جس
طرح کہ شمع کے گرد پروانہ طواف کرتا ہے اس
طرح آپؐ کے گرد طواف کرتے کہ کہیں آپؐ کو
گزند نہ پہنچ جائے۔۔"

میں اہل دل سے انصاف طلب ہوں اصحاب کہف نبی نہ تھے ولی تھے ان کا پہرہ دار کتا تو جنت میں جائے مگر جناب ابوطالبؑ تین سال تک امام الانبیاء کا پہرہ دیں اور اس کے باوجود سنگ دل لوگ انھیں دوزخی ٹھہرائیں اس سے بڑھ کر ایذائے مرتضیٰؑ اور ایذائے مصطفیٰؐ کی صورت کیا ہوگی۔

یہ جشن علیؑ منانے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ہم اس حماقت، عداوت اور جہالت کے دور میں شہر علم کے دروازہ پر دستک دیں، اور عرفان و آگہی اور شعور و ہدایت کی بھیک مانگیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صاحب ذوالفقار حیدر کرارؑ، قسیم الجنتہ والنارؑ، امام المتقینؑ، سید الرّاکعینؑ، زینت العارفینؑ، اول المسلمینؑ، اخی وصی و رسولؐ زوج بتولؑ جناب علی مرتضیٰؑ کے بارے میں فرمایا کہ

انا مدینۃ العلم و علی بابھا

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں تو یہ بھی کوئی شیعی روایت نہیں اس پر اہل سنت و الجماعت کے بڑے بڑے جلیل القدر علما، و صلحا نے قلم اٹھایا ہے اور اس کی تائید و تصدیق، تصویب، تفصیل، تفسیر اور تعبیر میں علم

و حکمت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ بے شمار کتابیں ایسی ہیں جن میں ارشاد رسولؐ کی تشریح میں فکر ونظر کے کتنے ہی مخفی پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ مگر اس کو کیا کہا جائے کہ ریسرچ اور تحقیق کے نام پر یار لوگوں نے اس تانباک حدیث نبویؐ پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ سچ پوچھئے تو یہ لوگ محقق اور مصنف نہیں ہیں اہل بیت اطہارؑ کے خلاف شمرذی الجوشن۔ یزید اور ابن زیاد کے مقدمے کے وکیل صفائی ہیں۔

ارے علی مرتضیٰؑ کی شان میں شہر علم کا دروازہ ہونے کے مترادف اور مشابہ اور ہم معنی اور ہم مطلب کن کن ارشادات نورانی اور کن کن آیات قرآنی اور کن کن مطالب فرقانی اور کن کن اقوال ربانی کو مٹانے کی کوشش کرو گے۔ انھیں کیا مٹاؤ گے اس ناپاک کوشش میں خود ہی ملیا میٹ ہوجاؤ گے۔ آنحضورؐ نے فرمایا تمام آسمانی صحیفوں میں جو کچھ ہے وہ قرآن پاک میں ہے اور قرآن پاک میں جو کچھ ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے' اور سورہ فاتحہ میں جو کچھ ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں جو کچھ ہے وہ ب کے نقطے میں ہے اور مولا علیؑ فرماتے ہیں۔

انا النقطة تحت الباء

اس ب کا نقطہ میں ہی تو ہوں اور علامہ اقبال نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا آپؑ کے صاحبزادے کی شان بیان کی' باپ کی شان بیان کی اور کہا کہ باپ بیٹے کی شان کا کیا ٹھکانا ہے۔ بیٹا آیہ ذبح عظیم کی تعبیرو تفسیر ہے اور باپ بائے بسم اللہ کی ب کا نقطہ ہے۔ کہا

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر

معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

اور اس بات کی سند اقبال سے اس لیے لے رہا ہوں کہ میں گردن زدنی نہ ٹھہروں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے مجھ سے پیش رو ایک فاضل مقرر نے وہ بات ذرا مختلف انداز میں بیان کی اور شاید وہ اتنی صحیح بھی نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے اور یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ عبداللہ ابن عباس وہ ہیں جو حبرالامت کہلاتے ہیں اور صحابہ میں مفسر قرآن ہیں۔

یہ روایت بھی کسی شیعی کتاب کی نہیں۔ینابیع المودۃ کی ہے یہ اہل سنت کی ایک مشہور کتاب ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مولا علی کی خدمت میں حاضر تھا مجھ سے فرمایا اے ابن عباس الحمد کے الف کی تفسیر کیا ہے میں نے عرض کیا کہ مولاؑ میں نہیں جانتا فرمایا کہ اس کی تفسیر یہ ہے اور پھر تفسیر بیان کرتے کرتے رات کا ایک پورا پہر گزر گیا پھر ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر پوچھا کہ اے ابن عباس الحمد کی "ل" کی تفسیر کیا ہے میں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں پھر اس پر آپؑ نے "ل" کی تفسیر بیان شروع کی اور رات کا ایک پہر گزر گیا۔ پھر فرمایا کہ ابن عباس جانتے ہو

الحمد کی "ح" کی تفسیر کیا ہے میں نے عرض کیا کہ مولاؑ میں نہیں جانتا۔ پھر آپؑ نے ح کی تفسیر بیان شروع کی اور رات کا ایک پہر کٹ گیا پھر آپؑ نے فرمایا کہ الحمد کی "م" کی تفسیر کیا ہے میں نے وہی جواب دیا اور آپؑ نے تفسیر بیان کرتے ہوئے رات کا ایک اور پہر گزار دیا اور پھر آپؑ نے فرمایا جانتے ہو الحمد کی "د" کی تفسیر کیا ہے میں نے کہا میں نہیں جانتا اور پھر آپؑ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رات گزار دی یہاں تک کہ صبح ہوگئی ابن عباس کہتے ہیں کہ میں جب اٹھا آپؑ کے پاس سے تو جو کچھ آپؑ نے فرمایا تھا میں سب کچھ بھول گیا اور پھر کہا کہ خدا کی قسم میرا علم علیؑ کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابلے میں پانی کا ایک قطرہ۔ ارے تم اپنی ہی اہل علم کی کتابوں میں سے یہ واقعہ کہاں لے جاؤ گے کہ جب ... معاویہ اور علیؑ کی جنگ میں جناب علیؑ کی مخالف فوج نے قرآن نیزوں پر اٹھا لیا اور قریب تھا کہ آپؑ کے ساتھی بھی کچھ مبتلائے فریب ہوں تو آپؑ نے پکار کر کہا اے نادانو!

انا القران الناطق

بولنے والا قرآن تو میں ہوں اور یہ واقعہ کس نے لکھا ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۱۵۳ پر لکھا ہے کہتے ہیں حضرت مرتضیٰؑ فرمود' یہ قرآن خاموش ہے۔ میں بولنے والا قرآن ہوں۔ اور قرآن کی ضمن میں قرآن کو دیکھنا عبادت ہے اور علیؑ کو دیکھنا عبادت ہے' دونوں قرآن ہیں ایک قرآن صامت ہے اور دوسرا قرآن ناطق ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی روایت کا ایک ٹکڑا پہلے آپ کو سنا چکا ہوں پوری روایت اب سنئے جو انھوں نے بیان کی ہے اپنی کتاب میں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کو دیکھنا عبادت ہے اور علیؑ کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ ہم نے امام مبین میں ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے امام مبین سے اکثر مفسرین نے لوح محفوظ مراد لی اور یہ بھی کہا ہے کہ لوح محفوظ کے علوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جمع فرما دیا ہے اور لوح محفوظ کے بارے میں مولانا روم کہتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء

اولیاء کی نگاہوں کے سامنے لوح محفوظ ہے۔ سوال کرتا ہوں جب لوح محفوظ تمام اولیاء کے سامنے ہے تو وہ امام الاولیاء کون ہے جس کی نسبت سے اور جس کے نقش قدم کی برکت سے اولیاء اولیاء بنے وہ شہنشاہ ولایت و طریقت کون ہے جو امام مبین کی صورت میں ذات انسانی میں لوح محفوظ بن کر اولیاء اللہ کے نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔

میں اس کا جواب نہیں دیتا رسولؐ خدا کے چہیتے صحابی حضرت عمار یاسر اس کا جواب دیتے ہیں۔ ینابیع المودۃ کی روایت ہے حضرت عمار فرماتے ہیں کہ میں مولا علیؑ کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھا ہمارا گزر ایک وادی پر ہوا کہ جو چیونٹیوں سے بھری ہوئی تھی میں نے عرض کیا کہ امیرالمومنینؑ اللہ کی مخلوق میں کوئی ایسا بھی ہوگا جو یہ بتا سکے کہ ان چیونٹیوں کی تعداد کیا ہے۔ اور حضرت عمار کہتے ہیں کہ مولاؑ نے فرمایا کہ میں ایسے بھی شخص کو جانتا ہوں جو یہ بھی بتا سکتا ہے کہ ان چیونٹیوں میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنی

ہیں۔ میں نے پوچھا مولاؑ وہ شخص کون ہے فرمایا تم نے سورہ یٰسٓ میں نہیں پڑھا

کل شی احصیناہ فی امام مبین

میں نے عرض کیا ہاں فرمایا عمار وہ امام مبینؑ میں ہی تو ہوں۔ ممکن ہے چیونٹیوں کے اس واقعہ میں کسی کو ذہنی اشکال پیدا ہو اس لیے اس کے ازالہ کے لیے سورہ نمل کی وہ آیات پڑھ دینی چاہیں جن میں چیونٹیوں کا سردار چیونٹیوں کو حضرت سلیمانؑ کے لشکر کی آمد آمد کی خبر دیتا ہے اور حضرت سلیمانؑ میلوں کے فاصلے سے نہ صرف ان چیونٹیوں کو دیکھ رہے ہیں بلکہ ان کی گفتگو بھی سن رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جشن علیؑ منانا دراصل باب مدینۃ العلم پر دستک دینا ہے اور اس جہالت زدہ ماحول کی سطح سے اپنے آپ کو اونچا اٹھانا ہے۔ یہ عجیب بات ہے ڈاکٹر کلب صادق ہی اس کی گرہ کھول سکتے ہیں کہ رجب کا مہینہ ہے اس میں بعثتِ رسولؐ ہوئی اسی میں معراج ہوئی، اسی میں نماز فرض ہوئی، اسی میں ابوترابؑ آئے اور اسی مٹی سے نسبت ہے ابوتراب کو کہ مٹی پر سجدہ کیے بغیر نماز نہیں ہوتی اور یہ ساری باتیں آپس میں کیا تعلق رکھتی ہیں معراج سے علی مرتضیٰؑ کو کیا تعلق ہے اور ابوتراب کی کنیت کو واقعہ معراج سے کیا تعلق ہے۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، بہت تھک گیا ہوں (صبح دس بجے سے اسلام آباد کے ایئرپورٹ پر بیٹھا رہا اور فلائٹ میں بہت تاخیر ہوئی ۹ گھنٹے انتظار کرنے کے بعد سات بجے وہاں سے چل کر سوا نو بجے یہاں پہنچا ہوں) شیخ سعدی شیرازی نے کہا

ہے۔ بے علم خدا کو نہیں پہچان سکتا تو مقدمہ یہ قائم ہوا کہ نجات کے لیے خدا شناسی ضروری اور خدا شناسی کے لیے علم ضروری اور علم کے لیے مدینۃ العلم جانا ضروری اور مدینۃ العلم میں جانے کے لیے باب مدینۃ العلم پر حاضری دینا ضروری ہے۔

آج جو یہ خزاں ہے یہ جو آج دل کی کھیتیاں ویران ہیں ان میں کوئی بلبل نہیں چہکتا کوئی غنچہ نہیں چٹکتا، کوئی پھول نہیں مہکتا کوئی سبزہ نہیں لہکتا یہ اسی لیے تو ہے کہ ہم نے اس چمنستان کرم سے اپنے کو دور کر دیا ہے وہ چمنستان کرم علی مرتضیٰؓ کا چمنستان کرم ہے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے کیا خوب کہا اور اسی پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں کہ

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہراؔ ہے کلی جس کی حسینؓ اور حسنؓ پھول

(۷ر جنوری ۱۹۹۲ء، نشتر پارک کراچی)

آپؐ کو یاد کر لیا
سر سے ہر اک بلا ٹلی

یہ بخاری کی روایت ہے کوئی شیعی روایت نہیں ہے کہ جناب مصطفیٰؐ نے جب ایک بُت گرانے کی کوشش کی جو اُونچا تھا، وہاں تک حضرتؐ کا ہاتھ نہیں پہنچا تو آپؐ نے کندھے اپنے آگے بڑھائے علی مرتضیٰؑ کندھوں پر کھڑے ہُوئے اس سے بڑھ کر معراج اور کیا ہو سکتی ہے کہ راکبِ دوشِ رسُولؐ بن گئے۔

مَیں اگر مسلک سے ہٹ جاؤں ترے
کونسی نیکی کرے گا رَب قبول

مُرسلِ حق کرد نامش بُوتراب

مجھے بے حد خوشی ہے کہ آج اسلام آباد میں پہلی مرتبہ سیدنا علی مرتضیٰؑ کی ولادت کی مناسبت سے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اس کانفرنس کے دو اجلاس ۷، ۸ر جنوری کو کراچی میں ہو چکے ہیں۔ ۷ر جنوری کو نشتر پارک میں عظیم الشان جلسہ عام بھی منعقد ہوا، آج اس لحاظ سے اس کا تیسرا سیشن ہے کل آخری سیشن اسی وقت اسی مقام پر ہوگا۔ اور مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ اسلام آباد کی یہ کانفرنس اور اس کی استقبالیہ کمیٹی کے اراکین اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہ تاثر ہے کہ جناب علیؑ جیسے کسی ایک مکتب فکر یا کسی ایک فرقہ کے مولاؑ ہیں امامؑ ہیں، محبوب ہیں، قائد ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ایک فرقے کا کیا سوال کہ ان کا تعلق تو پوری انسانیت سے ہے، آدمیت سے

ہے اور شاید اسی لیے اس سوسائٹی، جس کے اہتمام میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی ہے اس کا نام بوترابؑ سوسائٹی رکھا گیا۔ تراب (زمین) تمام دینا سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں عالم گیریت ہے۔ اس میں بین الاقوامیت ہے، اور یہ ہی احترام آدمیت سکھاتی ہے۔ اس لحاظ سے بوترابؑ سوسائٹی سے بہتر نام اس تنظیم کا نہیں ہو سکتا تھا۔

شیعہ اور سنی تمام کتابوں میں یہ روایت
موجود ہے اور متفقہ علیہ ہے کے ایک مرتبہ
جناب علیؑ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے ننگے بدن کہ
آپؑ کے جسم پر خاک لگ گئی آپؑ کا جسم خاک
آلود ہوگیا تھا ایسے میں سرکارؐ تشریف لائے تو
آپؐ نے فرمایا اے ابوترابؑ، اے مٹی کے باپ
اٹھ۔

مٹی سے علیؑ کا تعلق ہے اس لیے مٹی میں بھی ایک عجب مہک اور خوشبو ہے اور کھینچنے والے مٹی سے عطر کھینچتے ہیں اور مٹی کا عطر بڑا مشہور ہے بڑا نفیس عطر مانا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے۔

گلوں کو کھینچ کے عطار نے خراب کی بو
کجا علیؑ کا پسینہ کجا گلاب کی بو
جبھی تو کھینچتے ہیں عطر لوگ مٹی کا
بسی ہوئی ہے زمیں میں ابوترابؑ کی بو

مگر افصح الفصحا شاہ دوسرا، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

دیئے ہوئے لقب سے اور خطاب سے یوں سرسری گزر جانا صحیح نہیں ہر کلام کا ایک ظاہر ہوتا ہے ایک باطن ہوتا ہے اور جو لقب اور جو خطاب سیدنا علی مرتضیٰؑ کو لسان نبوتؐ سے عطا ہوا اس کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر وہی ہے جو آپ نے سنا مٹی کا باپ مگر باطن میں بھی کچھ چھپا ہے اور ایک مفہوم وہ ہے جس کی جانب اس دور کے بہت بڑے علوم اسلامیہ کے ماہر علامہ اقبال نے اپنی کتاب مثنوی اسرار خودی میں توجہ دلائی۔ حضرت علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

مسلم اول شہ مرداں علیؑ
عشق را سرمایہ ایماں علیؑ

مسلم اول حضرت علیؑ کو علامہ اقبال نے کہا' اور آپ جانتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو بعد میں اس کے ماں باپ اس کو یہودی مجوسی' نصرانی بنا دیتے ہیں۔ اور جناب علی مرتضیٰ تو بچپن سے ہی آغوش رسالتؐ میں آگئے' آغوش رسالتؐ ہی میں آپؑ کی تربیت ہوئی' آغوش رسالتؐ ہی میں آپؑ پلے بڑھے اس لیے اس بچہ کا جو پہلے ہی دین فطرت پر تھا اس کے قبول اسلام کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس نے تو کوئی دین پہلے اپنایا ہی نہیں تھا۔ تو اس دین کو چھوڑ کر وہ حلقہ اسلام میں کیوں آتا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ وہ پہلے مسلم نہ تھے وہ پہلے ہی سے مسلم تھے۔ اور اسی لیے اقبال ۔نے انھیں مسلم اول کہا ہے۔ اس لیے وہ بچپن ہی سے کلی نہ تھے گلاب تھے۔ شاعر نے کہا بہت اچھا کہا۔

بچپن میں وہ نہایت حسن و شباب تھا

یعنی کلی کی عمر میں تھا اور گلاب تھا
وہ ارتقا پذیر نہ تھا چاند کی طرح
جس وقت وہ طلوع ہوا آفتاب تھا

اقبال کہتے ہیں

مرسل حق کرد نامش بوتراب

رسول اکرم نے ان کا نام ابوترابؑ رکھا اور اقبال کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کو اپنا ہاتھ کہہ کر پکارا ہے اللہ کا ہاتھ کہا ہے' اور اللہ کا ہاتھ اس لیے نہیں کہا کہ اس میں تلوار تھی اس لحاظ سے بھی علی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ تھا اور اسی لیے ہر جرنیل بھی علیؑ کا غلام ہے اور یا علیؑ ہی کا نعرہ لگا کر میدان کار زار میں قدم رکھتا ہے تو اس کا سینہ تن جاتا ہے' اس کے پاؤں پہاڑ کی طرح جم جاتے ہیں اور وہ دشمنوں کی صفوں کی صفیں پلٹ دیتا ہے اور اس لحاظ سے آپ یقین جانئے کہ ہمارا جنرل بھی جنرل آصف نواز بھی علی مرتضیٰؑ کا غلام تھا۔ اسی لیے میں نے حضرت مولانا عبدالقادر آزاد سے عرض کیا ہے کہ وہ اس جلسہ کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ تو اللہ کا ہاتھ اس لیے نہیں تھے علی مرتضیٰؑ کہ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اللہ کا ہاتھ صرف تلوار ہی نہیں پکڑتا۔ اللہ کا ہاتھ جہاں سزا دیتا ہے اس کے ہاں عطا بھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں کیا کیا کچھ ہے۔ ہاتھ وہ ہاتھ میں آئے تو' اس ہاتھ میں سب کچھ ہے اقبال کہتے ہیں۔

شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں دل تاریک را اکسیر کرد

علی نے اس خاک کو مسخر کر لیا تھا اس جسم کو اپنے طابع بنا لیا تھا نفس کی باگیں ان کے ہاتھ میں تھیں۔ نفس ان پر سوار نہ تھا وہ نفس پہ سوار تھے۔ اور انا کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ اس لیے وہ ابن تراب نہ تھے ابو تراب تھے وہ مٹی کے بیٹے نہ تھے وہ مٹی کے باپ تھے اور اسی لیے جب ایسا ہوجاتا ہے کہ انسان ابن تراب نہیں رہتا ابو تراب بن جاتا ہے تو کہا

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند زمغرب آفتاب

جب کوئی ابو ترابؑ ہوجاتا ہے تو مغرب سے سورج کو بھی پلٹا سکتا ہے۔ ابو ترابؑ کا ایک پہلو یہ ہے جو اقبال نے پیش کیا دوسرا پہلو اس کا ایک اور بھی ہے تراب مٹی ہے مٹی خاک ہے' خاک زمین ہے' زمین عاجزی ہے' اس میں خاکساری بچھی ہوئی ہے یہ سراپا عجز ہے' کبر و تکبر آگ میں ہے' آگ خوئے شیطانی ہے اور اسی سے ابلیس بنا' اسی لیے زمین وخاک وعاجزی تصوف کی بنیاد ہے' اور تصوف کے تمام سلسلے خواہ وہ اُویسیہ ہو قلندریہ ہو' سہروردیہ ہو' چشتیہ ہو' قادریہ ہو وہ تمام تر منتہی سیدنا علیؑ کی ذات بابرکت سے ہیں۔ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی جو سرخیل صوفیا رہیں' سردار اولیا رہیں اور جن کی بارگاہ میں اقبال جیسا شاعر پہنچتا ہے تو کہتا ہے

مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

وہ کہتے ہیں کہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا اپنے آپ کو کہ میں جناب علیؑ کا غلام ہوں مجھے شرم آتی ہے ایسا کہتے ہوئے۔ مجھے حیا دامن گیر ہوتی ہے

کہ میں اپنے آپ کو غلام شاہ کہوں، میں اپنے آپ کو غلام علی مرتضٰی کہوں ہاں اتنا ہے کہ میں اپنے آپ کو ان کے غلام جناب قنبر کا ایک ادنیٰ اور حقیر غلام بھی کہلا سکوں تو میرے لیے سرمایہ افتخار ہے۔

اور میں اپنے شیعہ دوستوں کو بطور خاص یہ
سنا رہا ہوں کہ حب علیؑ ان کا اجارہ نہیں ہے یہ
عام ہے یہ اسلام کی بنیاد ہے یہ تصوف و
روحانیت کی معراج ہے۔

نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی یہ کہتے ہیں کہ

نظام الدین حیا دارد

نظام الدین کو حیا دامن گیر ہے اگر وہ یہ کہے کہ میں علی کا غلام ہوں، ہاں مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ ان کے قنبر کا ایک کمینہ گداگر اور ایک ادنیٰ غلام ہے۔ جناب علیؑ سراپا عجز و انکسار ہیں اس لیے وہ مٹی کے باپ ہیں۔ اس لیے اس نسبت سے کشمیری شاعر غنی کشمیری نے کہا ہے۔ (ترجمہ) کہ اگر اولاد ابولہب ہو تو لہب کے معنی بھڑکنے کے ہیں اور آگ بھڑکتی ہے، اور آگ کبر و برائی و غرور ہے یہ آگ کا خاصّہ ہے تو یہ ابو لہبی صفت ہے کہا اگر ابو لہب کی اولاد ہو تو کبر و تکبر اختیار کرو اور ابو ترابؑ کی اولاد ہو تو اس سے نسبت ہے جو مٹی کے باپ تھے اور مٹی میں عاجزی ہے اور انکساری ہے تو پھر تم میں عاجزی و انکساری ہونا چاہیے۔ تو بو ترابؑ کی اولاد ہے تجھے چاہیے کہ خاک بن جائے اگر آگ رکھے گا اندر تکبر رکھے گا تو اس کا مطلب یہ کہ تیرا تعلق ابولہب کی اولاد سے ہے عجب شعر میر انیس

نے کہا

انیس عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہے نہ کوئی غلام ابوترابؑ نہ تھا

اور یہ جو عاجزی اور یہ جو انکسار تھا اور یہ جو علیؑ نے فنا کر دیا تھا اپنے آپ کو اللہ کے نام پر' اور رسولؐ کی ذات پر' تو جانتے ہو معراج بھی ان کو کیا حاصل ہوئی ۔ مقام بھی ان کو کیا ملا' بلندی بھی کیا عطا ہوئی رجب کے مہینے میں ولادت ہوئی جو معراج کا مہینہ ہے اور جس میں نماز فرض ہوئی اور جس کے سجدہ کا تعلق مٹی سے ہے اور مٹی کا تعلق ابوتراب سے ہے۔

اس ابوترابؑ کو یہ مقام ملا کہ جب خانہ
کعبہ میں سرکار داخل ہوئے تو آپؐ نے بت
گرانے شروع کیے اور یہ بخاری کی روایت ہے
کوئی شیعی روایت نہیں ہے جناب مصطفیٰؐ نے
جب ایک بت گرانے کی کوشش کی جو اونچا تھا
وہاں تک حضرتؐ کا ہاتھ نہیں پہنچا تو آپؐ نے
کندھے اپنے آگے کر دیئے علی مرتضیٰؑ کندھوں
پر کھڑے ہوئے اس سے بڑھ کر معراج اور کیا
ہو سکتی ہے کہ راکب دوش رسولؐ بن گئے۔

حسنینؑ کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے نانا کے کندھوں پر سوار ہو گئے جناب نبیؐ نے بچپن کی وجہ سے اپنے کندھوں پر بٹھا لیا تھا میں کہتا ہوں علیؑ کے بارے

میں کیا کہو گے بخاری کی روایت کے مطابق سرکارؐ نے اپنے کندھے جھکا دیئے علی مرتضیٰؑ کے آگے اور علیؑ نے کندھوں پہ سرکار کے کھڑے ہو کر اس بت کو گرایا اور راکب دوش رسولؐ بن کر اس مقام پر علیؑ پہنچے اس لیے کہ وہ مٹے ہوئے تھے وہ عاجز تھے' وہ خاکسار تھے' انھوں نے رسالتؐ میں اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا تو مقام یہ ملا کہ وہ دوش نبیؐ پہ سوار ہوئے۔

ایک طرف آج انسانی معاشرہ مادیت کے سیلاب کی زد میں ہے ذہن Materialistic ہو گئے ہیں۔ دھریت کا فتنہ زوروں پر ہے۔ دنیا پرستوں کی بن گئی ہے دوسری طرف تکبر عروج پر ہے اللہ کو بھول گئے ہیں ہر شخص بڑائی کا ایک دیو پیکر نظر آتا ہے عاجزی نہیں رہی ہے خاکساری نہیں رہی ہے' اخلاق نہیں رہا ہے' مٹی ہوئی طبعتیں نہیں رہی ہیں۔

ایسے انسانی معاشرے کے ماحول میں جناب ابوترابؑ کی سیرت کی ضرورت ہے۔ ان کی تعلیمات کی ضرورت ہے' ان کی دی ہوئی روحانیت کی ضرورت ہے' ان کے قائم کیے ہوئے سلسلہ ہائے تصوف کی ضرورت ہے اور اس لحاظ سے یہ کانفرنس ابوترابؑ سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی ہے اس میں کچھ Contribute کر سکے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کا بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔

اس دور کے بہت بڑے فاضل اور عاشق رسولؐ حضرت مولانا احمد رضا

خان بریلوی نے بوترابیت اور خاک کے اسی مضمون کو اپنے اشعار میں باندھا ہے وہ پیش کرتا ہوں اور اپنی گفتگو ختم کرونگا۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدمؑ جد اعلیٰ ہے ہمارا
اللہ ہمیں خاک کریں اپنی طلب میں
یہ خاک کو سرکارؐ سے تمغہ ہے ہمارا
اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفوں شہِؐ بطحا ہے ہمارا
اس نے لقب خاک شہنشاہ سے پایا
وہ حیدرؓ کرار جو مولاؑ ہے ہمارا

(۱۰ر جنوری ۱۹۹۲ء' اسلام آباد ہوٹل)

دل و دماغ میں مہر و وفا کے افسانے
تصوّرات میں روشن فضائے بدر و حُنین

میں نے دیکھا ہے بڑے سے بڑے
عالم بھی اور احادیث پر نظر رکھنے والے
بھی مولا علیؑ کہتے ہوئے جھجکتے ہیں اور مولا
علیؑ کا لفظ کوئی کہہ بیٹھے تو گویا یہ اس بات
کی علامت ہے کہ یہ آدمی جو ہے اس کا
تعلق سواد اعظم سے نہیں ہے، حالانکہ
سواد اعظم میں شامل ہونے کے لیے یہ
ضروری تھا کہ علیؑ کو مولا مانا جائے اور جس
کو مانا جائے پہچانا جائے اسے مولاؑ کہا
جائے۔

خدا کرے کہ یہ ساعت یہیں ٹھہر جائے
کہ آج سر بسجود اُن کی بارگاہ میں ہوں

مولا علیؑ

رات نشتر پارک کے جلسے میں، میں نے کہا تھا کہ اس دور میں بد قسمتی سے تحقیق اور ریسرچ کے نام پر کچھ لوگ ان بہت سے مسلمہ تعبیرات اور تشریحات کو اور ارشادات کو بھی مشکوک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں جو صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان متفقہ رہے، ان میں سے کچھ کا حوالہ میں نے دیا تھا، اور اپنی معروضات پیش کیں تھیں۔ ایک ایسا ہی ارشاد رسولؐ آج بیان کروں گا جو بہت معروف ہے۔ بہت مشہور ہے اور شاید ہی کوئی مسلمان اس سے بے خبر ہو۔ لیکن بد قسمتی سے وہی اہل تحقیق کچھ تو یہ جسارت کر رہے ہیں کہ اس کے ارشاد رسولؐ ہی ہونے کا انکار کر دیں اور اگر ایسا ممکن نہ ہو سکے اور یہ روشن حقیقت مٹ نہ سکے تو پھر کم سے کم اس کی تشریح ایسی کر دی جائے اس پر ایسی دھول اڑا دی جائے اسے ایسا

غبار آلود کر دیا جائے کہ وہ اپنی حقیقت و اصلیت کھو بیٹھے۔ میری مراد اس ارشاد رسولؐ سے ہے جو خطبہ غدیر خم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور مختلف لفظوں کے ساتھ بیان ہوا ہے مگر یہ الفاظ تو بہت معروف ہیں۔ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ، یعنی میں جس کا مولا ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ ارشاد رسولؐ ہمارے ہاں اہل سنت کی محفلوں میں اور صوفیائے کرام کی محفلوں میں اور عرس کے موقع پر تمام قوال اپنی قوالی شروع کرنے سے پہلے قول کی صورت میں پیش کرتے ہیں اور یہ مشہور صوفی بزرگ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے محبوب حضرت امیر خسرو نے اسے قوالی کے روپ میں ڈھال کر قول کے انداز میں اسے متعارف کرایا' اور اس وقت سے اب تک یہ تمام اہل تصوف کے ہاں محافل سماع میں پیش کیا جاتا ہے۔

یہ ایسی روایت ہے جو ایک سو پندرہ صحابہ سے مروی ہے ایک سو پندرہ صحابہ سے روایت ہے۔ کتابوں کے ۵۶ مفسرین کے میں نام نہیں لیتا طوالت ہوگی ورنہ نام ہیں۔ ۵۶ مفسرین اور محدثین نے اپنی کتابوں میں اسے صراحت کے ساتھ لکھا ہے اور ۸۴ تابعین نے اسے منقول کیا ہے۔

یعنی یہ ایسی بات ہے کہ جو صدیوں سے ہمارے ہاں تواتر سے نقل ہوتی چلی آرہی ہے اور نسلوں میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے مگر بد قسمتی سے آج اس میں بھی شبہات ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اگر آج کوئی شخص 'میں نے دیکھا ہے بڑے سے بڑے عالم بھی اور احادیث پر نظر رکھنے والے بھی مولا علیؑ کہتے ہوئے جھجکتے ہیں اور مولا علیؑ کا لفظ کوئی کہہ بیٹھے تو گویا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ آدمی جو ہے اس کا تعلق سواد اعظم سے نہیں ہے۔ حالانکہ سواد اعظم میں شامل ہونے کے لیے یہ ضروری تھا کہ علیؑ کو مولا مانا جائے اور جس کو مانا جائے پہچانا جائے اسے مولا کہا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔

اب جب یہ دیکھا کہ یہ ارشاد ایسا ہے کہ یہ مٹ نہیں سکتا۔ ختم نہیں ہو سکتا تحقیق اور ریسرچ کے نام پر اس میں تشکیک کے کانٹے نہیں چبھوئے جاسکتے تو اب کہا کہ مولا کا مفہوم جو ہے وہ نہیں ہے جو سمجھا جاتا ہے اور جو عام طور پر اس حدیث کے ذیل میں لوگ لیتے ہیں۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ قرآن پاک میں مولا کا لفظ ۲۱ مواقع پر استعمال ہوا ہے اور امام راغب سے لے کر شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن تک جو مفہوم ان ۲۱ مقامات پر ہے اور میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ کہاں اور کس مقام پر اور کن زعماء کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

جو مفہوم ترجمہ نگار اب تک کرتے آئے ہیں وہ یہ ہیں۔ دوست، حمایتی، رشتہ کا بھائی، رب، سردار اور آقا۔

اب یہ حضرات کہتے ہیں کہ صاحب اس میں تو یہ ہی کہا ہے آپؐ نے کہ جس کا میں دوست ہوں علیؑ اس کا دوست ہے یعنی اگر یہ بات آپؐ نے فرمائی ہوتی تو اس میں زور وزن اور جان تھی اور فصاحت اور بلاغت کے اصولوں کے مطابق بات تھی کہ جس کا علیؑ دوست ہے اس کا میں دوست ہوں مگر بات یوں نہیں فرمائی آپؐ نے فرمایا ہے اگرچہ یہ مفہوم ہو جس کا میں دوست ہوں تو ظاہر ہے اس کا دوست تو علیؑ ہوگا مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جو محتاج بیان ہو Common sense سے اپیل کرتے ہوئے میں عرض کر رہا ہوں کہ دوست کا مفہوم دینے کے لیے پھر جملے کی Construction بدلنی تھی پھر جملہ یوں نہ ہوتا۔

دوسرا مفہوم اگر "حمایتی" کا لیا جائے جس کا میں حمایتی ہوں علی اس کے حمایتی ہیں یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے اور اس انداز سے کہنے کی کے تپتی دوپہر میں آپؐ نے "خطبہ حجتہ الوداع" دیا۔ خطبہ دینے کے بعد' اعلان کرنے کے بعد' مکہ اور مدینہ کے رستے میں لوگوں کو روک کر پھر آپؐ خطبہ دیتے ہیں اور خطبہ دیتے ہوئے جو اعلان فرماتے ہیں وہ اعلان یہ ہے کہ جس کا میں مولا ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں۔ کیا یہ سارا اہتمام جو آپؐ نے کیا صرف یہ اعلان کرنے کے لیے تھا کہ جس کا میں حمایتی ہوں علیؑ اس کے حمایتی ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات تھی جو محتاج بیان تھی یا جس میں تردد تھا کسی کو جس کی رسولؐ حمایت کریں گے علیؑ ان کی حمایت نہیں کرے گا یہ کوئی شک کی بات تھی پھر رشتہ کا بھائی جس کا میں رشتہ کا بھائی ہوں علیؑ اس کے رشتے کے بھائی ہیں یہ کوئی بچہ بھی جان سکتا تھا کہ جس سے آپؐ

کی رشتہ داری ہے علیؑ کی بھی اس سے رشتہ داری ہوگی کیونکہ آپ Cousin first تھے ۔۔۔ اب رہا رب' تو رب تو مفہوم ہو نہیں سکتا۔ جس کا میں رب ہوں علیؑ اس کے رب ہیں یہ Out of question ہے۔

اب دو الفاظ رہ جاتے ہیں ترجمہ کے وہی فٹ بیٹھتے ہیں وہی اس کا مفہوم ہے' وہی اس کی مراد ہے۔ جس کا میں سردار ہوں یا جس کا میں آقا ہوں اس کے علیؑ سردار ہیں۔ اس کے علیؑ آقا ہیں۔

اب ایک بات اور عرض کروں یہ جو اعلان ولایت تھا حضرت علیؑ کا جو رسولؐ کی زبان سے ہوا ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ حکومت ہو تب ولایت ہو ہاں اگر ولایت کے ساتھ حکومت ہو تو یہ حکومت کے لیے اعزاز ہے لیکن ولایت اس کی محتاج نہیں ہے کہ حکومت ہو تو ولایت ہو اور حکومت نہ ہو تو ولایت نہیں۔ اقبال نے یہ عجیب شعر کہا ہے۔

ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومت عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

عشق کی حکومت عام نہیں ہو سکی کیوں کہ محبت زمانہ ساز نہیں۔ حکومت کے لیے زمانہ سازی ضروری ہے علی زمانہ ساز نہ تھے علیؑ اصولوں پر مفاہمت کرنے والے نہ تھے۔ علیؑ تو شمشیر برہنہ تھے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں تو خلفا کا واسطہ مرتدین سے تھا۔ منافقین سے تھا کہ جو زکوٰۃ دینے سے

انکار کر رہے تھے' مقابلے میں تھے ان سے
مقابلہ کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن علی مرتضیٰؑ
کی مشکل یہ تھی کہ ان کے بالمقابل کلمہ گو
مسلمان تھے۔ کلمہ پڑھنے والے مسلمان تھے اور
علیؑ کو یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اسلامی
حکومت' اسلامی نظام اور اسلامی System تاراج
کرنے کے لیے اگر مسلمان بھی بالمقابل آجائیں
تو ان کی گردنیں بھی گاجر مولی کی طرح کاٹ دی
جائیں گی۔

علیؑ نے اس سے دریغ نہیں کیا۔ مگر بہت مشکل تھا۔ یہ زمانہ سازی کا کام نہ تھا۔ یہ کام وہ تھا جس کے لیے اصولوں پر مفاہمت نہیں ہوسکتی تھی اس لیے علیؑ کی ولایت کے ساتھ حکومت کی Braket لگی ہو یا نہ لگی ہو اس سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا اور کیا آپ کہیں گے امام حسنؑ جب دستبردار ہوگئے تھے حکومت سے تو ولایت کیا ان کے پاس نہ رہی تھی اور ہاں کیا حسینؑ جب سریرائے حکومت ہی نہیں ہوئے تو وہ سریرائے ولایت نہ تھے۔

ایک عجیب حدیث ہے اور میں حیران ہوں کہ اہل سنت اور شیعہ حضرات دونوں اس جانب توجہ کیوں نہیں کرتے۔ یہ بارہ امامؑ جو شیعہ حضرات کے ہیں' بلکہ میرے ہیں' وہ محض شیعہ حضرات کے کیوں ہوں گے۔ یہ جو بارہ امامؑ ہیں ان کے بارے میں ایک عجیب حدیث ہے بخاری

کی حدیث ہے اور چوں کہ اہل علم بیٹھے ہیں میں نے مناسب جانا کہ وہ عرض کروں۔

بخاری جلد سوئم پارہ ۲۹ کتاب الاحکام اس میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ سے میں نے سنا کہ ۱۲ امیر ہوں گے بارہ سردار ہوں گے۔ پھر وہ کہتے ہیں حضورؐ نے کچھ فرمایا مگر میں سمجھ نہیں سکا میں سن نہیں سکا میرے والد کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا وہ سب جو سردار ہیں بارہ وہ سب قریش میں ہوں گے یہ بخاری کی روایت ہے۔ اب تاریخ آپ دیکھ لیں قریش میں دو خاندانوں نے حکومت کی ہے بنو امیہ نے بنو عباس نے بارہ سردار اگر آپ مراد لیں بادشاہ مراد لیں تو نہ تو بنو امیہ میں ہوئے نہ بنو عباس میں یہ بارہ سردار یہ بارہ امام میں کہتا ہوں اگر ہوئے ہیں تو بنو ہاشم میں سرکار کے خاندان میں ہوئے اور یہ بارہ اہل بیتؑ ہیں۔

یہ وہ سلسلہ ولایت ہے جو سیدنا علی مرتضیٰؑ سے چلا اور جس کا اعلان سرکارؐ نے غدیر خم کے موقع پر کیا اور آپ نے اعلان فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں ایک بات جس کی جانب میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تصوف جو ولایت ہی کی شاخ ہے ولایت ہی کا شعبہ ہے اور ولایت ہی کا سلسلہ ہے اس میں جتنے سلسلے ہیں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، قلندریہ، یہ مشہور سلسلے یہ ہی ہیں یہ سب کے سب صوفیا میں کر قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، قلندریہ یہ سب کے سب صوفیا میں مسلمہ ہیں کہ تمام سیدنا علی علیہ السلام سے ملتے ہیں صرف ایک سلسلے کے بارے میں اختلاف ہے نقشبندیہ کے سلسلے میں۔

نقشبندیہ کے بارے میں دو گروہ ہیں ایک اسکول ہے سرہندی اور ایک ہے اکبر آبادی اسکول یہ صوفیار کے اسکول ہیں ان دونوں میں اختلاف ہے سرہندی سلسلے کے جو صوفیار ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلا ہے اور جو اکبر آبادی ہیں صوفیار وہ کہتے ہیں نہیں یہ سلسلہ بھی منتہی ہوتا ہے حضرت سیدنا علی علیہ السلام پر اور جہاں تک مجھ عاجز کی تحقیق ہے اور تھوڑی سی حقیر ریسرچ ہے میں سمجھتا ہوں کہ اکبر آبادی اسکول اس معاملہ میں راستی پر ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو سرہندی سلسلہ ہے وہ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقشبندیہ کا سلسلہ ملاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں حضرت امام جعفر صادقؑ تک تو یہ جاتا ہے وہاں سے وہ ان کے نانا جناب محمد ابن ابی بکر تک جاتے ہیں اور پھر وہاں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور جو دوسرے حضرات ہیں اکبر آبادی وہ اسے جناب امام باقرؑ سے جناب علیؑ تک براہ راست لے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر سرہندی سلسلہ ہی صحیح ہو کہ اس کا وہ تعلق جناب محمد ابن ابی بکر سے جوڑتے ہو۔

تو یہ سب جانتے ہیں جناب محمد ابن ابی بکر
جب حضرت ابوبکر صدیق کا انتقال ہوا ہے تو
بہت چھوٹی عمر کے تھے اور ان کی پرورش اور
ان کی تربیت وہ دامان مرتضیٰؑ میں ہوئی ہے اور
حضرت علیؑ کے سایہ عاطفت میں انھوں نے
پرورش پائی ہے۔ اس لیے اگر وہ سلسلہ تصوف

ان تک پہنچتا ہے تو اس ذریعے سے بھی سیدنا
علی مرتضیٰؑ تک پہنچتا ہے تو تمام سلاسل تصوف
اور اس میں کوئی Exception نہیں وہ سب کے
سب جناب امیرؑ تک پہنچتے ہیں اس لیے کہ وہی
ولی ہیں اور ان ہی کی ولایت کا اعلان سرکارؐ نے
اپنے اس مشہور خطبے میں کیا تھا۔

اس لیے حضرات میں اگر کہتا ہوں کہ اگر کوئی اعلان کرتا ہے جناب علی مرتضیٰؑ کی ولایت کا تو کیا غلط کرتا ہے۔ اور کیا برا کرتا ہے اور جب کہ علیؑ کی ولایت پر پردے ڈالے جارہے ہوں اور اخفا کیا جارہا ہو تو کیوں نہ اس اعلان کو میناروں سے بلند کیا جائے اور ہر جگہ سے اس کا چرچہ ہو اس لیے کہ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور یہی ارشاد رسولؐ ہے۔

(۸ر جنوری ۱۹۹۳ء مدینتہ الحکمہ، کراچی)

میں محمدؐ کا چاہنے والا
میں غلامِ علیؑ و آلِ علیؑ

علامہ ابن قتیبہ جو قدیم
مورخ اسلام ہیں وہ لکھتے ہیں امام زین
العابدینؑ کی ایک زوجہ محترمہ سندھی
تھیں۔ سندھ میں انھوں نے شادی کی تھی
اور ان سے حضرت زید شہید یہیں پیدا
ہوئے تو سندھ کے مسلمانوں کو کراچی کے
مسلمانوں کو اپنے اس محسن کو فراموش
نہیں کرنا چاہیے۔

سَر پر ہے دستِ حیدریؑ
دَم ہمہ دَم علیؑ علیؑ

نہج البلاغہ
چند علمی و تحقیقی نکات

شجاعت، بسالت، صداقت، اصابت، عدالت، امامت، خلافت اور ولایت کے ماتھے کا جھومر تو ذات علیؑ ہمیشہ رہے گی لیکن فصاحت و بلاغت کی بھی جو، نہج آپؑ نے مقرر کر دی ہے وہ تحتِ کلام خالق اور فوق کلام المخلوق ہے، مخلوق کے کلام میں اس کا جواب نہیں۔ خالق کے کلام کے نیچے امام علیؑ کی فصاحت و بلاغت بے مثل و بے نظیر ہے۔

افصح الفصحاء اور ابلغ البلغاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث ہیں وہ زیادہ تر روایت معنوی ہیں ہم تک پہنچی ہیں، رعایت لفظی ان میں کم ہے وہ الفاظ جو سرکار رسالت مآبؐ کی زبان سے ادا ہوئے وہ تو خیر جان فصاحت اور روح رسالتؐ ہیں ہی لیکن میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ یہ مقام اور یہ اعزاز مولا علیؑ کو حاصل ہے کہ ان کے خطبات کا مجموعہ "نہج البلاغہ" کی صورت میں محفوظ ہے اور جو اسے پڑھتا ہے وہ بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ واقعی کلام امیرؑ، امیر کلام ہے۔

میں قرآن پاک کے ساتھ جو دو چار کتابیں روز مرہ کے مطالعے میں رکھتا ہوں اور جو میرا زاد سفر ہیں' میری رفیق زندگی ہیں ان میں "نہج البلاغہ" بھی شامل ہے اور کئی مرتبہ پڑھنے کے بعد' جب پھر انھیں پڑھتا ہوں تو وہ ہر بار نئے رنگ میں نئے انداز اور نئے معانی کے ساتھ میرے سامنے جلوہ فگن ہوتی ہیں۔

رب کی شان ہے کہ ہر روز وہ نئے پیرائے میں جلوہ گر ہوتا ہے' رب والوں کی اور رب والوں کے کلام کی بھی یہی شان ہوتی ہے کہ اسے جب پڑھو' ہر بار نئے مطالب و معانی کے ساتھ تمھارے سامنے جلوہ گر ہو۔

فرقہ واریت کے اس دور میں کہ جب ایک ایک متاع دین و دانش لُٹی جارہی ہے اور ہر چیز کو مشکوک بنایا جارہا ہے میں نے بہت سے پڑھے لکھے لوگوں سے بھی یہ سنا ہے کہ "نہج البلاغہ" ایک وضعی اور الحاقی کتاب ہے جس کے مضامین بعد میں امام علیؑ کے نام سے منسوب کیے گئے ۔ میں چاہتا ہوں کہ زیادہ طوالت سے نہیں کیوں کہ مجھے بھی وقت کی تنگیٔ داماں کا گلہ ہے اگرچہ اسٹیج سکریٹری نے مہمان خصوصی ہونے کے ناتے سے مجھے کچھ Previleges دیئے ہیں مگر میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ دو چار نکات اس موضوع پر بیان کرنا

چاہتا ہوں تا کہ ایقان حاصل ہو اور اطمینان
نصیب ہو اور جو لوگ جویائے حق ہیں ان کو وہ
دلائل مل جائیں کہ جن سے وہ حق ڈھونڈنے
والوں کو اپنے مطالب سے مطمئن کر سکیں۔

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے آخر میں علامہ شریف رضی نے مرتب کی، کہتے ہیں کہ یہ علامہ شریف رضی کی کتاب ہے اور انھوں نے لکھی ہے یہ ایسی ہی بات ہے جیسے مستشرقین اور Orientilist کہتے ہیں کہ قرآن محمد مصطفےٰؐ کی کتاب ہے۔ اللہ کی کتاب نہیں ان کو اگر آپ نے لاجواب کرنا ہو تو ایک بات ان سے کہہ دیجئے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے رسولؐ کا کلام ان کی احادیث ہیں دونوں کی زبان دیکھ لیجئے دونوں کا اسلوب دیکھ لیجئے دونوں کا انداز دیکھ لیجئے دونوں کی فصاحت و بلاغت دیکھ لیجئے قرآن و حدیث میں جو فرق ہے وہی رسولؐ اور اللہ کے کلام میں فرق ہے۔

میں بھی یہی کہتا ہوں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ علامہ شریف رضی نے لکھی ہے میں ان سے کہتا ہوں کہ خطبات علی کے ختم ہونے کے بعد بعض مقامات پر علامہ شریف رضی نے کچھ تبصرے کیے ہیں کچھ توضیحات کی ہیں آپ اس کلام کو جو علامہ شریف رضی کا ہے جو تحریر ان کی ہے اسے بھی دیکھیں اور جو خطبات علیؑ ہیں، جناب علیؑ سے نسبت رکھتے ہیں ان کی زبان، ان کی ادبی شان ان کا ایجاز اور ان کا اعجاز بھی دیکھ لیں آپ دیکھیں گے کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ جو اتنا بڑا باکمال شخص تھا کہ ایسی کتاب لکھ سکتا تھا اسے مرتب

بننے کا کیا شوق تھا۔ وہ مصنف کیوں نہ بنا مرتب کا کمال تو کوئی بڑا کمال نہیں ہے کہ اس نے خطبے ترتیب دے دیئے یہ اس کے خطبے نہیں ہیں اگر وہ انہی خطبوں کو اپنی تحریر بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا تو مصنف بنتا اور دنیائے ادب میں اس کا جو مقام ہوتا کوئی اس کی گرد کو نہ پہنچتا تو مرتب کیوں بن گیا مصنف کیوں نہ بنا۔ اس لیے کہ یہ کلام شریف رضی کا نہ تھا یہ کلام امام علیؑ کا تھا۔

ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے، اگر یہ کلام شریف رضی کا ہوتا تو وہ اپنے دور کے کوئی معمولی شخص نہ تھے۔ دینی اور دنیاوی مناصب پر فائز رہے اور ایک ایسا وقت بھی آیا کہ جب مصر سے فاطمی تحریک اٹھی تو ایک محضرنامہ عباسی حکومت نے تیار کیا جس پر علمائے کے دستخط لیے گئے تاکہ فاطمی تحریک کی مذمت کی جائے۔ علامہ شریف رضی سے بھی کہا گیا کہ وہ اس پر دستخط ثبت کریں انھوں نے انکار کر دیا وہ معتوب ہوگئے عباسی حکومت کے زیر عتاب آگئے انکے مخالفین کے لیے خود حکومت کے لیے بھی اس سے بہتر اور کیا موقع ہو سکتا تھا کہ انھیں مطعون کیا جاتا انھیں بدنام کیا جاتا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جو جناب علیؑ کے نام سے اپنے گھڑے ہوئے خطبے منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ خطبات علیؑ ہیں اور یہ پروپیگنڈہ اگر جناب شریف رضی کے خلاف کیا جاتا تو کامیاب ہو سکتا تھا اس لیے کے حکومت وقت ان کے خلاف ہو چکی تھی مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اس طرح کی کوئی بات نہ ان کے مخالف علمائے نے کہی اور نہ عباسی حکومت نے کہی معلوم ہوا کہ بات یہ نہیں ہے جو آج ہمارے کچھ کم پڑھے لکھے لوگ لیے بیٹھے

ہیں کہ یہ خطبات علی نہیں ہیں یہ خطبات رضی ہیں بلکہ بات حقیقت میں فرقہ وارانہ تعصب پر مبنی ہے کہ لوگ آج چاند پر تھوکنے کی کوشش کر رہے ہیں اور آج لوگ چاند پر غبار ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

علامہ رضی کی ولادت سے بھی بہت پہلے جناب علی کے تقریباً ۴۸۰ خطبے لوگوں میں مشہور و معروف تھے اور یہ بات ایک اہل سنت عالم مورخ مسعودی نے لکھی ہے۔ مسعودی سید رضی کی ولادت سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ۴۸۰ سے زیادہ خطبے حضرت علیؑ کے لوگوں کو یاد ہیں۔ یہی خطبے اگر جمع کر دیئے جائیں تو نہج البلاغہ سے زیادہ ضخیم کتاب بن سکتی تھی۔ لیکن جناب رضی نے جو کتاب مرتب کی وہ اتنی ضخیم نہ تھی پھر بھی اس کے اندر بعض شخصیات کے بارے میں ایسے احساسات تھے جو اکثریت کے ذوق کے خلاف ہوسکتے تھے اور ان کو وہ خطبات ازبر تھے جو پہلے سے جناب علیؑ کے خطبات میں مشہور تھے وہ کہہ سکتے تھے کہ جناب رضی نے یہ اپنی طرف سے خطبات بنا دیئے ہیں اپنی طرف سے یہ الحاق کر دیا ہے۔ لیکن اس دور میں ہمارے سامنے اس طرح کی کوئی بات نہیں۔ معلوم ہوا کہ جناب رضی کی ترتیب حقیقی ترتیب ہے۔ واقعی ترتیب ہے اور اس کا وضع سے تصنع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک اور عجیب مصیبت ہے اور وہ بھی فرقہ واریت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔اور اسی لیے میں،

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

اور اس لیے بھی کہتا ہوں کہ میں سخن فہم ہوں غالب کا طرف دار نہیں۔

اس لیے بھی کہتا ہوں کہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کے شیعہ ہر اس بات کو بے چوں و چرا تسلیم کر لیتے ہیں جو آئمہؑ کے نام کے ساتھ یا مولیٰ علیؑ کے نام کے ساتھ منسوب کر دی جاتی ہے' وہ فوراً اسے قبول کر لیتے ہیں۔ یہ تاریخ سے' تحقیق سے اتنی دور بات ہے جتنی کہ آپ اور ہم اس وقت کسی بھی دوسرے ملک سے دور بیٹھے ہیں اسی قدر یہ بات حقیقت سے دور ہے۔

اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اشعار کا وہ مجموعہ جو جناب امیرؑ کے نام سے رائج کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کے نام منسوب ہوا اکثر شیعہ علماء اور محققین نے اسے جناب امیر کا کلام تسلیم نہیں کیا۔ علامہ کلب صادق یہاں تشریف رکھتے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے۔

امام حسن عسکریؑ کی جو تفسیر کہی جاتی ہے ان کے نام کے ساتھ منسوب ہے اس تفسیر حسن عسکریؑ کو بھی شیعہ محققین میں قبولیت کا شرف حاصل نہیں ہوسکا۔

نہج البلاغہ کے پایہ کی اگر کوئی دوسری کتاب ہے تو صرف امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کا لاجواب اور بے مثال دعاؤں کا وہ مجموعہ ہے جو صحیفہ کاملہ کے نام سے مشہور ہے اور جو مجھ عاجز اور گناہ گار کے لیے میدانِ عرفات میں ہمیشہ ہمدم و دمساز رہی ہے اور وہ کتاب نہج البلاغہ کے بعد پایۂ استناد کو پہنچتی ہے۔اس لیے یہ کہنا بھی کہ ہر بات جو آئمہؑ سے منسوب کر

دی جائے شیعہ آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر
لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی ہی بات ہے جس کا علم و
تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ علامہ شریف رضی کی اس کتاب کی تالیف کے ڈھائی سو برس کے بعد تک کوئی آواز شک و شبہ کے سلسلے میں نہیں اٹھی۔ علمائے اہل سنت نے اس زمانے میں اس کی شرحیں لکھیں ڈھائی سو برس کے بعد پہلا عالم جس نے تھوڑا سا وسوسہ ڈالا مگر وہ بھی اس کے پایہ استناد میں نہیں وہ ابن خلّکان ہیں کہ وہ بغداد سے تعلق رکھتے تھے جو بنو امیہ کا مرکز تھا اس نے لکھا ہے "خطبہ شقشقیہ" آپ کے بشری جذبات کا نتیجہ ہے۔ اب یہ کیا خطبہ ہے اور اس میں کیا مضامین بیان کیے گئے ہیں یہ وقت نہیں کہ میں ان کی طرف عنان التفات موڑ سکوں۔ ابن خلّکان اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکا اور کوئی بات نہج البلاغہ کے غیر مستند ہونے پر نہیں کہی۔ اور یہ بات اس نے جس کتاب میں لکھی ہے اس کا انتساب اس زمانے کے وزیر ابن العلقمی کے نام کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے انتساب اس لیے کیا کہ وزیر شیعہ تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر شیعہ وزیر کو خوش کرنے کے لیے یہ شرح لکھی گئی تھی تو پھر اس کے اندر شیعیت کا رد نہ کیا ہوتا کیوں کہ اس کے اندر بعض مقامات پر شیعہ عقائد سے برملا اختلاف کیا گیا ہے۔ اس لیے اگر اس کو یہ انتساب کرنا تھا خوش کرنے کے لیے کسی کو تو پھر وہ خلیفہ وقت کے نام کرتا جو کہ سنی تھا اور جس سے انعام و کرام کی توقع ہو سکتی تھی۔

پھر اس دور میں مصر کے جلیل القدر عالم مفتی محمد عبدہ نے نہج البلاغہ کی شرح لکھی اور یہ مصر اور بیروت سے شائع ہوئی الازہر میں پڑھائی گئی بہت سی یونیورسٹیوں میں رائج ہوئی محمد عبدہ جن کا نام ثقاہت میں ضرب المثل ہے وہ یہ لکھتے ہیں کہ

ترجمہ : "یہ وہ کلام ہے جو اشرف بھی ہے اور بلیغ تر بھی ہے۔ اللہ اور نبیؐ کے کلام کے بعد اس کا کوئی جواب نہیں"۔

مصر اور عرب کے کئی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں نصاب کے طور پر یہ شرح پڑھائی جاتی رہی اور مجھے معلوم نہیں کہ شاید اب بھی پڑھائی جارہی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے نہج البلاغہ کہ بدقسمتی سے فرقہ واریت نے آج جس کی جانب لوگوں کی توجہات کو مبذول کرنے سے روک رکھا ہے ابھی جناب انور سعید نے اپنے مقالے میں بعض مضامین کا ذکر کیا۔

میں نے توحید کا باب بڑے بڑے متکلمین کے ہاں پڑھا ہے۔ بڑے بڑے کلامیوں کے ہاں پڑھا ہے۔ بڑے بڑے دلائل دینے والوں سے میں نے اس کا اظہار سنا ہے۔ لیکن جناب امیرؑ نے جو توحید کا ذکر کیا نہج البلاغہ میں وہ بنیاد ہے اسلام کی۔ توحید کا عقیدہ صحیح نہیں تو کچھ بھی صحیح نہیں۔ وہ ایسا راسخ عقیدہ ہے۔ ایسا صادق عقیدہ ہے جو ذہن میں کھپ جائے تو انسان کا سینہ نور توحید سے معمور ہوجاتا ہے۔

آپؑ نے "چیونٹی" سے۔ آپؑ نے "ٹڈی" سے۔ آپؑ نے "چمگادڑ" سے مضامین اخذ کیے ہیں ان کی تحقیق سے مضامین لیے ہیں اور اس انداز میں بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت' اس کی صناعی اور کاریگری اس کی

یکتائی نگاہوں کے سامنے مجسم ہو کر آجاتی ہے۔

ہم کہتے ہیں اللہ ایک ہے۔ امام علیؑ کہتے ہیں ایک نہیں بلکہ احد ہے۔ احد اور واحد میں فرق ہے۔ واحد ایک ہے۔ مگر یہ ایک جمع بھی ہوسکتا ہے۔ ایک جمع ایک دو۔ یہ ایک تقسیم بھی ہوسکتا ہے۔ اس کو ضرب بھی دی جاسکتی ہے۔ یہ ایک تفریق بھی ہوسکتا ہے۔ مگر احد وہ ہے نہ جس کی جمع ہے' نہ تفریق ہے' نہ تقسیم ہے اور نہ ہی جس کی ضرب ہے۔ وہ ایک نہیں ہے وہ یکتا ہے۔ اور یہ وہ مغالطہ ہے جس میں بڑے بڑے علمائے عصر بھی ملوث رہے ہیں اور غرق رہے ہیں۔ مگر امیر المومنینؑ نے یہ گتھی سلجھائی ہے کہ اللہ کو واحد نہ سمجھو اللہ کو احد جانو۔ ایک کو ایک نہ سمجھو یکتا جانو۔

یہی وہ بات ہے کہ صوفیاء کے یہاں بھی رہی اور وہ جو ہمارا حال ہے اس دور میں ہر شخص نے اپنے نہاں خانہ دل میں اپنی مرضی کا ایک خدا بنا لیا ہے۔ میں نے ایک شعر کہا تھا۔

ہم کو اک حرفِ اَناالحق پہ بُرا کہتی ہے
وُہی مخلوق جو ہر بُت کو خدا کہتی ہے

خدا خالق ہے وہ مخلوق نہیں ہوسکتا اگر ہم اپنے گمان سے اسے تخلیق

کر کے اپنے نہاں خانہ دل میں بٹھا سکتے ہیں تو وہ ہماری مخلوق ہے خالق نہیں۔

نہج البلاغہ کا جو اجتماعی پہلو ہے اور جو اس کی اجتماعی تعلیمات ہیں اس میں مالک اشتر کے نام امیرالمومنینؑ کا مکتوب انتہائی اہم ہے۔ میں کہتا ہوں کاش وہ خط آج دنیا کے ہر سربراہ مملکت کی میز پر ہوتا۔ ہر سربراہ مملکت اسے سامنے رکھتا تو اس کے بعد اسے نہ کسی دستور کی ضرورت تھی۔ نہ کسی آئین کی ضرورت پڑتی۔ وہ ایسا رہنما ہے کہ اس کے بعد کسی رہنما کی ضرورت نہیں۔

افسوس ہم ایسے ٹوٹے ہیں، ہم ایسے بکھرے ہیں، تسبیح کے دانوں کی طرح اور خون مسلم کے سوداگروں نے ہمیں تھوڑ پھوڑ دیا ہے۔ ہمیں کاٹ دیا ہے جاہل ذاکروں اور واعظوں نے اس طرح ہمارے درمیان خلجشے پیدا کر دیئے ہیں کہ ہم نہج البلاغہ جیسی عظیم کتاب کو بھی مشکوک سمجھ کر ہاتھ لگانے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فلاں مکتبہ فکر کی کتاب ہے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وضعی اور بنائی ہوئی کتاب ہے اور اس طرح پاکستان اور اس کے نونہال اس کے معلمین اور متعلمین اس کے مضامین اور اس کی تعلیم سے محروم ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں کہ یہ کیا خزانہ ہے کہ جو اس کتاب کے اندر موجود ہے۔

میں اور تو کچھ نہیں کہتا ہوں یہ فرقہ
واریت پاکستان کے لیے دشمن نمبر ایک ہے آپ
کا دشمن نمبر ایک انڈیا بھی نہیں آپ کا دشمن

نمبر ایک داخلی ہے اور یہ فرقہ واریت کا عفریت ہے۔ جو آپ کو اندر اندر کھائے جارہا ہے آپ کی صف میں اگر کوئی ہے خون مسلم کا سوداگر نکال باہر کیجئے اور اگر اہل سنت بھائیوں کے اندر کوئی خون مسلم کا سوداگر ہے میں ان سے کہوں گا کہ اسے نکال کر باہر کریں۔ نوے فیصد باتیں ایسی ہیں جو سب کے درمیان متفقہ علیہ ہیں دس باتوں کا تو چرچا ہر اسٹیج سے ہوتا ان نوے باتوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ نوے باتوں کا کوئی ذکر نہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ایک نئی ذمہ داری مجھ پر عائد کی گئی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا مجھے سربراہ بنایا ہے اس کے ذمے کام یہ تھا کہ یہ سات سال کے اندر پاکستان کے قوانین کو مشرف بہ اسلام کرے۔ ۱۹۶۲ء میں یہ کونسل قائم ہوئی اب تک یہ صرف آدھے سے کم قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھال سکی ہے۔ آدھے سے زیادہ کام ابھی باقی ہے۔ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ کونسل جو اب قائم ہوگی مکمل ہوگی اس میں ممکن ہے تھوڑا سا وقت بھی لگ جائے۔ اس کے اجلاس کم ہوتے ہیں مگر جو ماہر اسکالرز ہیں ہر مکتبہ فکر سے میں نے کہا ہے انھیں Engage کیا جائے ان کو مشاہرہ دیا جائے اور قوانین پر نظرثانی کا کام ان کے سپرد کیا جائے۔ چھے مہینے کے اندر اندر یہ سارا کام مکمل ہو تاکہ پاکستان کا مقصد وجود پایۂ

تکمیل کو پہنچ سکے اور یہ بھی میری خواہش ہے کہ فرقہ واریت ختم ہو۔ تمام مکاتب فکر کے اہل علم اس کونسل کے اسٹیج پر جمع ہو کر باہم تبادلہ خیال سے مسائل کی گھتیاں سلجھائیں۔

میری زندگی کا سورج عصر سے مغرب کی طرف جارہا ہے میں اور کوئی تمنا نہیں رکھتا۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ پاکستان میں پھر سے مسلمانوں کو متحد دیکھوں۔ پھر سے مسلمانوں کو میں ایک دیکھوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس میں مشکلیں ہیں۔ اس میں Western intrest کی مخالفتیں بھی سامنے آئیں گی۔ اس میں بڑے بڑے نقصانات اور زیاں کاریاں سامنے ہیں لیکن میرے سامنے شیفتہ کا وہ شعر ہے۔

یہ جانتا ہوں کہ جاں کا زیاں ہے الفت میں
معاملہ ہی کیا ہو اگر زیاں کے لیے !

(۳۰ دسمبر ۱۹۹۳ ۔ کراچی میریٹ ہوٹل)

میں بہت گنہگار انسان ہوں مگر کہتا
ہوں کہ خدا کی قسم جس جنت میں ابوطالبؑ
نہیں ہوں گے مجھ جیسا گنہگار آدمی بھی
اس جنت میں جانے کے لیے تیار نہیں۔

ہماری مطبوعات

بیسویں صدی اور جدید مرثیہ (تحقیقی مقالہ) __________ ڈاکٹر ہلال نقوی

اذانِ مقتل (جدید مرثیے) __________ ڈاکٹر ہلال نقوی

مولا علیؑ (تقاریر) __________ مولانا کوثر نیازی

بزمِ انیس (میر انیس کے ۱۲ مرثیے) __________ مرتّبہ، ڈاکٹر نیّر مسعود

دفترِ دبیر (مرزا دبیر کے ۲۵ مرثیے) __________ مرتّبہ، ڈاکٹر ہلال نقوی

درِ خانۂ اطہر (منقبتی کلام) __________ کرامت اللہ غوری

محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلیکیشن ٹرسٹ کراچی

پوسٹ بکس ۷۹۱۶ صدر کراچی

عجز ہے میری برتری، فخر مرا تونگری
فقر مری قلندری، سر پہ ہے دستِ حیدری

پیر میرا علیؑ ولی
دم بہ دم علیؑ علیؑ، دم بہ دم علیؑ علیؑ

اللہ و مصطفیٰ ترے، دونوں جہاں گدا ترے،
کون و مکاں سدا ترے، قلب و جگر فدا ترے

باغِ جناں تری گلی
دم بہ دم علیؑ علی، دم بہ دم علیؑ علیؑ

عظمتِ حسنِ کبریا، الفتِ دینِ مصطفیٰ
دعوتِ فکرِ انبیاءؑ، بیعتِ دستِ اولیا

تیری ہی ذات سے چلی
دم بہ دم علیؑ علیؑ، دم بہ دم علیؑ علیؑ

قوتِ بازوئے نبیؐ، عظمتِ نوعِ آدمی
سطوتِ علمِ عالمی، حشمتِ حلمِ ہاشمی

آپ کا وصف یا علیؑ
دم بہ دم علیؑ علیؑ، دم بہ دم علیؑ علیؑ

کوثرِ خستہ گام کا، آپؑ کے اس غلام کا
دل جو ہوا ہے غمزدہ، آپؑ کو یاد کر لیا

سر سے ہر اک بلا ٹلی
دم بہ دم علیؑ علیؑ، دم بہ دم علیؑ علیؑ

(مولانا کوثر نیازی مرحوم کی ایک نایاب منقبت)

حیدریم قلندرم مستم بندہ مرتضیٰ علی ہستم پیشوائے تمام رندانم کہ سگِ کوئے شیر یزدانم
یا علی
روضہ مبارک حضرت علی
شاہ مرداں شیر یزداں قوّتِ پروردگار
لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار